www.ownislam.com
حدیث کے طلبہ وطالبات کیلئے ایک انمول بیش بہا تحفہ
مبادیاتِ حدیث
علمِ حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، وجہ تسمیہ
علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت، حجیت حدیث، تدوین حدیث
حدیث کا شرعی حکم، طبقاتِ کتبِ حدیث، انواعِ کتبِ حدیث
تقسیم حدیث اور فوائدِ اسناد پر تفصیلی کلام کے ساتھ ساتھ ستر
ائمہ حدیث کا دلچسپ تذکرہ
از افادات
حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ
جمع وترتیب وتحقیق وتحشی
حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب
مقیم ڈیوزبری
تقریظ
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
استاذ الحدیث ورفیق شعبہ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی
مکتبہ بیت العلم کراچی

موقوف علیہ کے طلبہ و طالبات کیلئے ایک انمول بیش بہا تحفہ

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، وجہ تسمیہ، علم حدیث کی تاریخی حیثیت، حجیت حدیث، تدوین حدیث، حدیث کا شرعی حکم، طبقات کتب حدیث، انواع کتب حدیث، تقسیم حدیث اور فوائد اسناد پر تفصیلی کلام کے ساتھ ساتھ سترہ ائمہ حدیث کا دلچسپ تذکرہ

از افادات
حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ

جمع و ترتیب تحقیق و حواشی
حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب
مقیم ڈیوزبری

تقریظ
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
استاذ الحدیث و رفیق شعبہ تصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ بیت العلم
G-30، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،
اردو بازار، کراچی۔ فون: 2726509

11010305

—— اسٹاکسٹ ——

مکتبہ بیت العلم

G-29، گراؤنڈ فلور، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،

اردو بازار کراچی، فون: 2726509

کتاب کا نام .... مبادیات حدیث

تاریخ اشاعت .... محرم ۱۴۲۶ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۵ء

کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

ناشر .... بیت العلم ٹرسٹ

ST-9E بلاک نمبر 8، گلشن اقبال، کراچی

فون: 4976073 فیکس: 4976339

ای میل - bit-trust@cyber.net.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ التماس کی جاتی ہے کہ حتی الامکان ہم نے کتاب میں تصحیح وتخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں سُقم وضُعف یا اَغلاط نظر آئیں تو آزراہِ کرم ناشر کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی باقی نہ رہے۔

مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ضرور بتائیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کافی محنت ہوئی ہے امید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جزاکم اللہ خیراً

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

فہرست مضامین

تقریظ

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ

زیرِ نظر کتاب، درحقیقت حدیث شریف کی شہرہ آفاق داخلِ درس کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' کا مقدمہ ہے، جس میں علمِ حدیث کے مبادیات اور اصول وضوابط کا تعارف کرایا گیا ہے، حدیث کے لغوی، اصطلاحی معنی، تدوینِ حدیث، کتبِ حدیث کی قسمیں، انواعِ علمِ حدیث اور جلیل القدر محدثین کے حالات اس میں آسان اور مدرّسانہ اسلوب میں جمع کیے گئے ہیں، دراصل یہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی کے درسی افادات ہیں، جنہیں مولانا مرغوب احمد لاجپوری نے مرتب و مدوّن کیا ہے اور حواشی پر بھی انہوں نے حوالہ جات کا کام کیا ہے...... بیت العلم کے احباب نے اس کی نئی کمپوزنگ اور جدید تصحیح کرائی ہے اور ناقص حوالوں کی بھی تکمیل کی ہے...... امید ہے کہ طلبہ اور علماء بطورِ خاص اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ابن الحسن عباسی
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

عرضِ محشّی

حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا ''مقدمۂ مشکوٰۃ'' ۱۹۹۵ء میں مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہ نے حضرت کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ''مبادیاتِ حدیث'' کے نام سے شائع کیا۔ اس مقدمہ میں حدیث کے متعلق بہترین معلومات مثلاً:

علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض وغایت، وجہ تسمیہ، علمِ حدیث پر شبہات کے جوابات، حجیتِ حدیث، مدوّن، اجناس، مرتبۂ حدیث، حکم شرعی، انواعِ کتبِ حدیث، طبقاتِ کتبِ حدیث، تقسیم حدیث، مقدمۃ الکتاب وغیرہ مفید عنوانات کے ساتھ ساتھ سترہ ائمۂ حدیث کے دل چسپ حالات پر مشتمل یہ کتاب اس بات کی متقاضی تھی کہ اسے جدید طرز پر خوبصورت انداز میں شائع کیا جائے۔

ساتھ ہی اس زمانہ کے اسلوب کے مطابق حوالہ جات کا اہتمام بھی کیا جائے، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس پر تحقیق وحاشیہ کا کام ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی، چنانچہ بزرگوں کے حکم پر یہ کام شروع کیا اور الحمد للہ چند دن میں مکمل ہوگیا۔

آیات کا حوالہ، احادیث کی تخریج، بعض مواقع پر کچھ اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہاں اضافہ بھی کیا گیا۔ بعد میں حضرۃ الاستاذ دامت برکاتہم نے من وَ عن اسے ملاحظہ بھی فرمایا اور جہاں مناسب سمجھا اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اسے حدیث پاک کی ادنیٰ خدمت شمار فرمائے۔ حضرت موصوف اور مرتب ومحشّی کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین)۔

مرغوب احمد لاجپوری

پیش لفظ

از حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا:

پہلی مرتبہ جب مشکوٰۃ شریف کے درس کی ذمہ داری احقر کو سونپی گئی تو اس وقت علمِ حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم ابتدائی باتیں اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے لئے نوٹ کر لی تھیں۔

اس زمانے میں اردو زبان میں نصابی کتابوں کی شروحات کا اتنا رواج بھی نہیں تھا جو بعد میں ہوا اس لئے اس قسم کی چیزیں کمیاب ہونے کی وجہ سے یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی۔ بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔ اس کے بعد تو بحمد اللہ اردو زبان میں نصابی کتابوں اور درسی شروحات پر بہت کام ہوا اور اچھے اچھے شاہکار وجود میں آئے، جن کے سامنے میری اس تحریر کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں تھی، پھر بھی محبت رکھنے والوں کا اصرار ہوا کہ آجکل جب اس طرح کی چیزیں طباعت کی شکل اختیار کر رہی ہیں آپ بھی اس کو چھپوالیں! لیکن میں ہمیشہ انکار کرتا رہا۔

بالآخر عزیز گرامی قدر مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب نے بہ اصرار وہ کاپی مجھ سے وصول کر ہی لی اور اپنے طور پر اس کی طباعت کا انتظام کرلیا، جب وہ چھپ کر آئی اس کے ایک زمانہ بعد میری نظر سے گذری میں نے جب دیکھا تو اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص اور سقم محسوس ہوا اور طباعت کی غلطیوں نے اس کو ''ضِغْثٌ عَلٰی اِبَالَہٖ'' کا مصداق بنا دیا، پھر بھی محبت کرنے والے اس کو شوق و رغبت سے

لیتے رہے، یہ ان کی محبت اور نکتہ نوازی کی بات تھی۔

ایک زمانے کے بعد عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب نے احقر کے سامنے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس پر حاشیہ تحریر کروں، چنانچہ ان کے شوق اور ولولے کو دیکھتے ہوئے اور اس لالچ میں کہ پہلی طباعت میں جو کمزوریاں رہ گئی تھیں وہ دور ہوجائیں گی ان کو اجازت دے دی، چنانچہ عزیز محترم نے چند ہی دنوں میں یہ کام مکمل کر کے مسوّدہ میرے پاس بھیج دیا تاکہ نظر ثانی ہوجائے، لیکن میں اپنی کاہلی وسستی اور کچھ مصروفیات کی وجہ سے اس پر جلد نظر ثانی نہ کر سکا۔

ایک صاحب نے اپنے ایک مضمون کا مسوّدہ برائے ملاحظہ ارسال فرمایا تھا اس کو دیکھ رہا تھا اس دوران مجھے یہ مسودہ یاد آ گیا اور اب تک اس پر نظر ثانی نہ کرکے عزیز موصوف کے ساتھ جو بے اعتنائی ہوئی اس پر ندامت کا احساس ہوا، چنانچہ دوسرے ہی روز مسودہ ہاتھ میں لے کر نظر ثانی کا کام مکمل کرلیا۔

عزیز موصوف نے احقر کے ساتھ محبت وتعلق کی بنیاد پر اس کتاب کے ساتھ جو اعتناء فرمایا اس پر دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت فرما کر تالیف وتصنیف کی مقبول خدمات کے لئے ان کو بے انتہا قبول فرمائے، آمین۔

املاہ: العبد احمد خانپوری

۱۴رذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

مقدمہ علم حدیث

ہر علم وفن کے شروع کرنے سے پہلے چند امور بطور مبادی[1] ومقدمہ[2] کے بیان کئے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس علم وفن کی تحصیل میں طالب علم کے لئے سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ امور کل آٹھ ہیں، جن کو حکماء ومناطقہ کی اصطلاح میں رؤسِ ثمانیہ[3] سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ آٹھ امور یہ ہیں:

① ...... علم کی تعریف۔
② ...... موضوع۔
③ ...... غرض وغایت۔
④ ...... سمتہ، یعنی وجہ تسمیہ۔
⑤ ...... مؤلف۔
⑥ ...... اجناس۔
⑦ ...... مرتبہ۔
⑧ ...... تقسیم وتبویب۔

لیکن ہم مسلمانوں کیلئے ایک نواں امر بھی جاننا ضروری ہے اور وہ ہے اس کا شرعی حکم اور شریعت کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کیا ہے، آیا سنت ہے یا واجب؟ حلال ہے یا حرام؟ جائز ہے یا ناجائز؟ وغیرہ، مثلاً علم سحر حرام ہے اور علم قرآن وحدیث واجب ہے۔

---

[1] اَلْمُبَادِیْ هِیَ الْاَشْیَاءُ الَّتِیْ یَبْتَنِیْ عَلَیْهَا الْعِلْمُ، (مقدمة اعلاء السنن: ۲/۱۹)

[2] مُقَدِّمَةٌ مِنْ قَدَمٍ بِمَعْنٰی تَقَدُّمٍ وَهِیَ مَاخُوْذَةٌ مِّنْ مُقَدِّمَةِ الْجَیْشِ، وَهِیَ نَوْعَانِ، مُقَدِّمَةُ الْعِلْمِ وَمُقَدِّمَةُ الْکِتَابِ، (المرآت للشیر کوتی ص ٦)

[3] اِعْلَمْ اَنَّ الْقُدَمَاءَ کَانُوْا یَذْکُرُوْنَ فِیْ مَبَادِیَ الْکُتُبِ اَشْیَاءَ ثَمَانِیَةً وَ یُسَمُّوْنَهَا الرُّؤُسَ الثَّمَانِیَةَ، (مرقاة ص ٦٢)

تعریف کا مقصد

تعریف کا مقصد اجمالی تعارف ہے، اگر کسی چیز کی تعریف نہ کی جائے تو وہ مجہول رہ جاتی ہے اور مجہول چیز کا حصول عقلاً محال ہے، اس لئے تعریف کے ذریعہ فن کو جہالت سے نکالنا مقصود ہوتا ہے۔

امرِ اوّل علمِ حدیث کی تعریف

پہلے زمانے میں محدثین کا دستور یہ تھا کہ احادیث کیف ما اتفق اور بلا کسی خاص ترتیب کے لکھا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کرلیا کہ اگر کوئی لفظ محتاجِ تفسیر و قابلِ تشریح ہوتا تو اس کو حاشیہ پر تحریر کردیا کرتے تھے، اس کے بعد جب متاخرین کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اس کو مہذب بنایا۔ رُواۃ کی چھان بین فرمائی، ضعیف رُواۃ کو ثقہ رُواۃ سے ممتاز فرمایا، اسی وجہ سے علمِ حدیث کی تعریف میں فرق و اختلاف ہوگیا، چنانچہ:

❶ ...... متقدمین میں سے بعض نے کہا کہ: علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال وافعال کی صحت وسقم معلوم ہو۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شرح بیقونیة" میں علم حدیث کی تعریف اس طرح کی ہے:

"اِنَّ عِلْمَ الْحَدِیْثِ عِلْمٌ بِقَوَانِیْنَ، اَیْ قَوَاعِدُ یُعْرَفُ بِهَا اَحْوَالُ السَّنَدِ وَالْمَتْنِ مِنْ صِحَّةٍ وَحُسْنٍ"[1]

علم حدیث ایسے قوانین کے جاننے کا نام ہے کہ ان سے سند ومتن کے احوال یعنی صحت وسقم معلوم ہوں۔

[1] تدریب الراوی: ۲۲/۱.

یہی تعریف علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "الفیہ" میں کی ہے:

عِلْمُ الْحَدِیْثِ ذُوْ قَوَانِیْنَ تُحَدُّ
یُدْرٰی بِهَا اَحْوَالُ مَتْنٍ وَ سَنَدٍ[1]

لیکن یہ تعریف اب مطلق علم حدیث کی نہ رہی، بلکہ اب یہ تعریف بھی ایک مستقل علم کی تعریف ہوگئی اور ایک مستقل اصطلاح بن گئی، جس کا نام اصولِ حدیث[2] ہے۔

❷ ...... دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے روایت کا درجہ معلوم ہوجائے، لیکن اب یہ تعریف بھی علم حدیث کی تعریف نہیں کہلائے گی، بلکہ یہ ایک مستقل علم ہے جس کو علمِ علل حدیث کہا جاتا ہے۔

❸ ...... تیسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال واحوال کی شرح معلوم ہو، لیکن اب یہ تعریف درایتِ حدیث کی کہلاتی ہے مطلق علم حدیث کی نہیں، چونکہ علمِ حدیث کی ساٹھ انواع ہوچکی ہیں، اس لئے ہر ایک کی تعریف الگ ہوگی۔ روایتِ حدیث اور ہے درایتِ حدیث اور، اسی طرح اصولِ حدیث اور ہے عللِ حدیث اور، اسی طرح اس کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں۔ اور یہ جو آپ پڑھیں گے وہ علم حدیث کی ساری انواع نہیں ہیں، بلکہ یہ صرف علمِ روایت حدیث ہے، جس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

علمِ روایت حدیث کی تعریف

وہ علم ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال معلوم

[1] مقدمہ اوجز: ۳/۱.
ترجمہ: "علم حدیث ایسے قوانین ہوتے ہیں جن سے متن وسند کے احوال معلوم ہوتے ہیں۔"
[2] اصول حدیث کی ایک بہترین تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے:
"مَعْرِفَةُ الْقَوَاعِدِ الْمُعَرِّفَةِ بِحَالِ الرَّاوِیْ وَالْمَرْوِیّ" (تدریب: ۴۱/۱)

ہوجائیں:

"عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهٖ أَقْوَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْعَالُهٗ وَأَحْوَالُهٗ"[1]

ایک اشکال اور اس کے تین جواب

اب یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اقوال وافعالِ صحابہ وتابعین پر بھی تو حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ "مُصَنَّفُ ابْنِ أَبِيْ شَيْبَة" اور "مُصَنَّفُ عَبْدِالرَّزَّاق" میں احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں صحابہ وتابعین کے اقوال، وافعال وغیرہ زیادہ ہیں، باوجود اس کے ان کتب کو بھی احادیث کے ذخیرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (اس اشکال کے کئی جوابات ہیں):

جوابِ اوّل: صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ مدرک بالقیاس ہوں گے، یا غیر مدرک بالقیاس، اگر غیر مدرک بالقیاس ہیں تو وہ احادیث مرفوعہ ہی کے حکم میں ہیں اور جو حیثیت ومرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ہے وہی ان کو بھی ہوگا[2] اور اگر وہ مدرک بالقیاس ہوں تو ان کو احادیث مرفوعہ اور اقوال شریفہ پر پرکھا جائے۔

جوابِ دوم: بعض حضرات نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ صحابہ وتابعین کے جو اقوال وغیرہ احادیث کے موجودہ ذخیرہ میں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ملتے ہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی وجہ سے تبعاً ان کے اقوال مذکور ہیں، ہاں جن

[1] عمدة القاري: ۱/۱۱، والكرماني: ۱/۱۲.

[2] غیر مدرک بالقیاس ہوں تو بر بنائے حسن ظن یہ تصور کیا جائے گا کہ صحابۂ کرام اور تابعین نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا ہے، اگرچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کی۔

کتابوں میں احادیث مرفوعہ کم ہیں اور زیادہ تر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال شامل ہیں اس کا نام حدیث ہے ہی نہیں، بلکہ اس کا نام محدثین کے نزدیک علم الآثار ہے۔

جوابِ سوم: اور بعض لوگوں نے اس اشکال سے بچنے کے لئے سرے سے تعریف ہی بدل دی اور اس طرح تعریف کی کہ: علم حدیث وہ علم ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال واحوال اور صحابہ وتابعین کے اقوال، افعال اور احوال معلوم ہوں، چنانچہ "فتح الباقي شرح الفية العراقي" میں ہے:

قَالَ شَيْخُ الإِسْلَامِ:

"اَلْحَدِيْثُ وَ يُرَادِفُهُ الْخَبَرُ عَلَى الصَّحِيْحِ مَا أُضِيفَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ أَوْ إِلَى صَحَابِيٍّ أَوْ إِلَى مَنْ دُوْنَهُمْ قَوْلًا أَوْ فِعْلًا أَوْ تَقْرِيْرًا أَوْ صِفَةً، وَيُعَبَّرُ عَنْ هَذَا بِعِلْمِ الْحَدِيْثِ وَيُحَدُّ بِأَنَّهٗ عِلْمٌ يَشْتَمِلُ عَلَى نَقْلِ ذٰلِكَ وَقَالَ الْأَجْهُوْرِيُّ فِيْ "حَاشِيَتِهٖ عَلَى شَرْحِ الْبَيْقُوْنِيَةِ": وَعِلْمُ الْحَدِيْثِ أَيْ رِوَايَةً."[1]

موضوع کا مقصد

۱ ...... موضوع[2] کے ذریعہ سے فنون کا آپس میں امتیاز ہوتا ہے۔

۲ ...... فن کی شرافت وعظمت موضوع کے ذریعہ ہوتی ہے، اس لئے موضوع جتنا اونچا ہوگا فن بھی اتنا ہی اونچا ہوتا ہے۔

امرِ ثانی موضوع

عام طور پر علماء نے حدیث کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو

[1] اوجز: ۱/۳.

[2] وَالْمَوْضُوْعُ: مَا يُبْحَثُ فِيْ ذٰلِكَ الْعِلْمِ عَنْ أَعْرَاضِهِ الذَّاتِيَّةِ، (اعلاء السنن ص۲۲/۱۹)

لکھا ہے[۱] کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات سے ہی اس فن میں بحث کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا یہ سب امور کیسے اور کس طریقہ سے ہوتے تھے۔

لیکن جلیل القدر محقق علامہ محی الدین کافیجی[۲] رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ آدمی کی ذات تو علم طب کا موضوع ہے، لہٰذا حدیث کے موضوع کے ساتھ طب کا موضوع کیسے خلط ہوگیا؟ یہ اعتراض اگر چہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اہمیت اس لئے نہیں رکھتا کہ علم طب کا موضوع بدن انسان ہے جو عام ہے اور حدیث کا موضوع ذات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو اس کا ایک فرد ہے۔

لیکن علماء نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں حیثیت کی قید محذوف ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک علم حدیث کا موضوع ہے اس حیثیت سے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس توجیہ سے دونوں علوم کے موضوع میں تمایز ہوگیا:[۳]

"قَالَ السُّيُوْطِيُّ: وَلَمْ يَزَلْ شَيْخُنَا الْعَلَّامَةُ مُحْيِ الدِّيْنِ اَلْكَافِيْجِيْ يَتَعَجَّبُ مِنْ قَوْلِهٖ: أَنَّ مَوْضُوْعَ عِلْمِ الْحَدِيْثِ ذَاتُ الرَّسُوْلِ وَيَقُوْلُ هٰذَا مَوْضُوْعُ الطِّبِّ لَا مَوْضُوْعُ الْحَدِيْثِ، وَأَنَا أَتَعَجَّبُ مِنَ الْكَافِيْجِيْ كَيْفَ الْتَبَسَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ بِالطِّبِّ، فَإِنَّ ذَاتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهٗ نَبِيٌّ اَوْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا مَدْخَلَ لِلطِّبِّ فِيْ ذٰلِكَ، نَعَمْ لَوْ تَعَجَّبَ مِنْ أَنَّ هٰذَا مَوْضُوْعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيْثِ اَلْجَامِعُ لِاَنْوَاعِهٖ كَانَ وَجِيْهًا، اَمَّا الْمَخْصُوْصُ بِعِلْمِ

[۱] الكرمانى: ۱۲/۱.

[۲] اَلْكَافِيْجِيْ، بِكَسْرِ الْفَاءِ نِسْبَةٌ اِلٰى كَافِيَةِ ابْنِ الْحَاجِبِ لِكَثْرَةِ قِرَاءَ تِهٖ وَ اِقْرَائِهٖ لَهَا، (حاشيه تدريب الراوى: ۲۲/۱)

[۳] تدريب الراوى: ۲۲/۱.

الرِّوَايَةِ فَيَكُوْنُ مَوْضُوْعُهٗ اَيْضًا مَخْصُوْصًا، فَقِيْلَ مَوْضُوْعُهٗ ذَاتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَيْثُ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَتَقْرِيْرَاتِهٖ وَاَوْصَافِهٖ كَذَا فِي الدُّرَرِ، وَالْاَوْجَهُ عِنْدِيْ اَنَّ مَوْضُوْعَهٗ اَلْمَرْوِيَّاتُ وَالرِّوَايَاتُ مِنْ حَيْثُ الْاِتِّصَالِ وَالْاِنْقِطَاعِ، وَاَمَّا ذَاتُهُ الشَّرِيْفَةُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَوْضُوْعٌ لِمُطْلَقِ عِلْمِ الْحَدِيْثِ دُوْنَ اَلنَّوْعِ الْخَاصِ مِنْهُ وَهُوَ عِلْمُ رِوَايَةِ الْحَدِيْثِ"[۱]

اس مقام پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جس طرح حدیث کی تعریف میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال شامل ہیں اور ان سے بحث کی جاتی ہے، ایسے ہی موضوع کے اندر بھی یہ اقوال وافعال شامل ہونے چاہئیں۔

بعض محدثین نے اس اعتراض کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وافعال کو بھی موضوع میں شامل کرلیا اور بعض دوسرے محدثین نے یہ جواب دیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال سے جو بحث کی جاتی ہے وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی نسبت سے کی جاتی ہے تو گویا اس نسبتِ نبوی کی وجہ سے ان حضرات کے اقوال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرموداتِ شریفہ میں سے ہوگئے۔

اسی قسم کا اعتراض پہلی بحث میں تعریف پر بھی آچکا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ جو محدثین موضوع کی تبدیلی کے قائل ہیں ان کی تعداد کم ہے اور وہاں جن محدثین نے اعتراض سے بچنے کے لئے تعریف میں ردوبدل کردیا ان کی جمعیت زیادہ ہے۔

غرض وغایت سے مقصود

انسان غرض کا بندہ ہے جب تک ثمرہ معلوم نہ ہو وہاں تک دلچسپی نہیں لیتا۔

[۱] مقدمہ، اوجز ص۷، الفائدة الثانية: فى موضوعه.

امرِ ثالث غرض و غایت

غرض کہتے ہیں اس مقصد اور نتیجہ کو جس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی فعل کیا جائے، مثلاً بازار جا کر کوئی چیز خریدنا اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہو، لہٰذا بازار کسی شئی کو خریدنے کے لئے جانا تو غرض ہے اور اس شئی کا خریدنا غایت ہے۔

تو غرض و غایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں صرف ابتدا اور انتہا کا فرق ہے، چنانچہ عقلاء اور سمجھدار لوگوں کے نزدیک غرض و غایت ایک ہی ہے، کیونکہ ان کے یہاں اکثر غرض پر غایت مرتب ہوتی ہے، بخلاف بیوقوفوں واحمقوں کے کہ ان کے یہاں غرض پر غایت بہت کم مرتب ہوتی ہے، مثلاً دہلی جانا یہ تمہاری غرض ہے تو اگر تم ہوشیار ہو تو اسی سڑک سے جاؤ گے جو دہلی جاتی ہے، اس صورت میں یقیناً دہلی پہنچ جاؤ گے اور اگر بیوقوفی کی وجہ سے بجائے دہلی کی سڑک اختیار کرنے کے بمبئی کی طرف نکل پڑے تو غرض (دہلی جانا) تو موجود ہے لیکن راستہ غلط اختیار کرنے کی وجہ سے غایت مرتب نہ ہوگی۔

روایت حدیث، پہلی غرض

اب علم حدیث کی غرض و غایت کیا ہے؟ علمائے اہل فن فرماتے ہیں کہ علم حدیث کی غرض وہ دعائیں اور فضیلتیں حاصل کرنا ہے جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کیلئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَ وَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ"[1]

اس قسم کی اور سینکڑوں دعائیں مذکور ہیں، لیکن اس جملہ میں علماء کا اختلاف

[1] مشکوٰة، کتاب العلم، الفصل الثانی: ص۳۵.

ہو رہا ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے یا خبریہ[1]؟ کوئی بھی ہو دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہے، اگر دعائیہ ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا کیا پوچھنا، سرتا پا خیر ہی خیر ہے اور اگر جملہ خبریہ ہے تو اشکال ہوگا کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث پاک کی خدمت میں مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ پژمردہ اور غمزدہ رہتے ہیں، لہٰذا یہ خبر اس پر کہاں صادق آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ظاہر بیں ہیں اور آخرت سے بے بہرہ ہیں ان کے نزدیک تو فقر و فاقہ بربادی اور مشکلات کا سبب ہے، لیکن فقر و فاقہ حقیقت میں بربادی کا سبب نہیں، ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ کو اپنے ارادہ سے کیوں اختیار فرماتے[2]۔ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہی اس کی لذت جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ قِيْلَ وَمَنْ خُلَفَائُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِيْ وَ يُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ"[3]

[1] مرقاة المفاتيح: ۲۸۸/۱.

[2] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّيْ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا الخ، (مشکوٰة، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

[3] اس روایت کو طبرانی نے "اوسط" میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے۔
(مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فضل العلماء و مجالسهم، ص۱۲٦ ج ۱)
وَاَخْرَجَهُ أَبُوْ نُعَيْمٍ اَحْمَدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْحَافِظُ مِنْ طَرِيْقِ الطَّلْحِيِّ، هٰذَا فِيْ اَخْبَارِ اِصْبَهَانَ: ۸۱/۱ ...... وَالْغَزَالِيُّ فِي الإِحْيَاءِ ۱۱/۱، وَالسُّيُوْطِيُّ فِيْ مِفْتَاحِ الْجَنَّةِ)
علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں ان الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے:
"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ، الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ، الَّذِيْنَ يَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِيْ وَ سُنَّتِيْ وَ يُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ" (فیض القدیر: ۱۸۸/۲ رقم الحدیث ۱۵٤٤)
اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف بلکہ بعض نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن قاضی عیاض رحمہ

اس حدیث پاک میں بھی حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا۔[۱]

قابل غور بات

غور کرو اگر کسی چھوٹے سے شیخ کی خلافت کسی کو مل جائے تو کتنی خوشی اور کتنا شور ہوتا ہے اور کتنی بڑی بات سمجھی جاتی ہے اور یہاں تو سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت مل رہی ہے۔[۲]

محدثین کو خلفاء کیوں فرمایا

حدیث مذکور میں حضرات محدثین کو خلفاء اس لئے فرمایا کہ مسلمانوں تک بطور خیر خواہی سنتوں کو پہنچانا انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے تو جو آدمی اس خدمت کو انجام دے گا گویا کہ وہ ان کا نائب ہے۔

محدثین کی ایک اور فضیلت

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

"إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً"[۳]

اللہ تعالیٰ نے "اَلْاِلْمَاعُ اِلٰى مَعْرِفَةِ اُصُوْلِ الرِّوَايَةِ وَتَقْيِيْدِ السَّمَاعِ" میں "بَابٌ فِيْ شَرَفِ عِلْمِ الْحَدِيْثِ وَتَشَرُّفِ اَهْلِهٖ" (ص ١٧) کے تحت اس حدیث کو بہت سی اسانید سے روایت کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بے اصل نہیں ہے۔

[۱] محدثین نے اس بشارت میں فقہاء کو بھی شامل فرمایا ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تشریح میں لفظ "سنن" پر کلام فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وَقَدْ يُقَالُ اَرَادَ بِهَا هُنَا الطَّرِيْقَةَ الْمَسْلُوْكَةَ فِي الدِّيْنِ وَاِنْ كَانَ مِنْ كَلَامِ التَّابِعِيْنَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ فَيَدْخُلُ فِيْهِ الْفُقَهَاءُ" (فيض القدير: ٢/١٨٨)

[۲] وَهٰذِهٖ مَنْقَبَةٌ لِاَهْلِ الْحَدِيْثِ الْعَالِمِيْنَ الْعَامِلِيْنَ اَعْظَمُ بِهَا مِنْ مَّنْقَبَةٍ، (حوالہ بالا)

[۳] سُنَنِ تِرْمِذِیْ، اَبْوَابُ الْوِتْرِ، بَابُ مَاجَاءَ فِيْ فَضْلِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى

یعنی قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتے ہیں۔ ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کا مصداق محدثین حضرات ہیں، اس لئے کہ اس امت میں کوئی جماعت ان سے بڑھ کر درود بھیجنے والی نہیں ہے۔[۱] اس کے علاوہ اور بہت سی روایتیں ہیں جو "مشکوٰۃ" میں آپ پڑھیں گے۔

دوسری غرض

علماء نے علم حدیث کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ دین کا مدار علم حدیث پر ہے، کیونکہ اصل دین یعنی قرآن پاک تو مجمل ہے اس کی تبیین اور توضیح کی ضرورت ہے اور وہ احادیث سے ہوسکتی ہے۔ قرآن پاک میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو ہے، لیکن ان کی رکعات و مقدار وغیرہ کچھ نہیں، یہ سب احادیث سے ثابت ہیں، اس لئے یہ غرض بھی سب سے اہم ہے، کیونکہ قرآن پاک اصلِ دین اور مدارِ شریعت ہے اور اس کی شرح حدیث پاک ہے تو بغیر شرح کے متن کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا پڑھنا اہم ہوگیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے:

"لَوْلَا السُّنَّةُ لَمَا فَهِمَ الْقُرْاٰنَ أَحَدٌ مِّنَّا"[۲]

تیسری غرض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی کہ:

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (١/١١٠) مشكوٰة، بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا، اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.

[۱] قَالَ ابْنُ حِبَّانَ عَقِبَ هٰذَا الْحَدِيْثِ فِيْ هٰذَا لِخَبَرِ بَيَانٍ صَحِيْحٍ عَلٰى اَنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ اِذْ لَيْسَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ اَكْثَرُ صَلٰوةً مِّنْهُمْ، (مرقاة: ٢/٣٤٠)

[۲] الميزان الكبرىٰ للشعراني، ص٥٢.

اگر علمِ حدیث پڑھنے پڑھانے سے خواہ کوئی فائدہ نہ ہو اور خواہ کوئی بھی ثواب نہ ملے تب بھی اس کے پڑھنے کے لئے ایک غرض یہ کافی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ ہم محبِّ رسول ہیں اور آپ سے سچی محبت کے دعویدار ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محض اس لئے پڑھنا چاہیئے کہ ایک محبوب کا کلام ہے اور جب اس کو محبت کے ساتھ پڑھا جائے گا تو ایک قسم کی لذت، حلاوت، رغبت پیدا ہوگی، جیسے اگر کوئی عشق میں پھنسا ہوا ہو اور اس کے معشوق کا خط آجائے تو اگر وہ حدیث پاک کے سبق میں بھی ہوگا تو اسی کو پہلے پڑھے گا اور کھانے کے درمیان آجائے تو کھانا بند کردے گا اور نماز کے اوقات میں جیب ہی پر نظر رہے گی، جب اس ناپاک کے خط کو پڑھنے کا اتنا شوق وذوق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو اس سے بدرجہا قابلِ صد احترام ہے۔[1]

چوتھی غرض

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: غور وفکر کیا جائے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور اس علم سے وابستگی کی وجہ سے نفسِ انسانی میں ایک خاص کیفیت خواہ بری ہو یا بھلی پیدا ہوجاتی ہے۔

علمِ حدیث سے وابستگی اور مزاولت انسان میں صحابیت کی شان پیدا کر دیتی ہے،[2] کیونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال سے واقفیت اور عبادات و عادات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع واطوار کا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور یہ بات امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوت مدرکہ اور متخیلہ میں جو اس سے وابستگی رکھتا ہے ایسی جم جاتی ہے اور راسخ ہوجاتی ہے کہ مشاہدہ کے

[1] تقریر بخاری: ۷/۱.

[2] عجالۂ نافعہ: ص ۳.

حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ حسب ذیل شعر میں اس طرف اشارہ ہے ؎

أَهْلُ الْحَدِيْثِ هُمْ أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ
لَّمْ يَصْحَبُوْا نَفْسَهٗ وَأَنْفَاسُهٗ صَحِبُوْا

یعنی محدثین ہی اہل نبی ہیں اور انہیں گو رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔

یہاں تک تم کو تین امور معلوم ہوگئے۔ علم حدیث کی تعریف جس کا خلاصہ تدبر ہے اور علم حدیث کا موضوع جس کا خلاصہ عظمت ہے اور علم حدیث کی غرض وغایت جس کا خلاصہ لذت ہے، تو جب تم حدیث پاک کو تدبر، عظمت اور لذت کے ساتھ پڑھو گے تو اس پر غایت مرتب ہوگی اور اگر توجہ اور التفات سے نہ پڑھو گے تو محرومی ہے۔ (العیاذ باللہ)

امرِ رابع وجہِ تسمیہ

اس علم کا نام علمِ حدیث ہے اور اس کی وجہ تسمیہ میں دو قول ہیں:

اول یہ کہ حدیث! حادث کے معنی میں ہے[1] اور اس معنی کے لحاظ سے اس علم کو حدیث اس وجہ سے کہتے ہیں کہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں: ایک قدیم وہ تو قرآن ہے اور اللہ کا کلام ہے، جو اس کی صفت ہے اور جب ذات باری تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی صفت بھی قدیم ہوگی۔

دوسری قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، لامحالہ یہ حادث ہوگا، اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی حادث

[1] وَأَمَّا الْحَدِيْثُ فَأَصْلُهٗ: ضِدُّ الْقَدِيْمِ، وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ شَرْحِ الْبُخَارِيِّ: اَلْمُرَادُ بِالْحَدِيْثِ فِيْ عُرْفِ الشَّرْعِ "مَايُضَافُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" وَكَأَنَّهٗ أُرِيْدَ بِهٖ مُقَابَلَةَ الْقُرْآنِ لِأَنَّهٗ قَدِيْمٌ، (تدریب الراوی: ۲۳/۱)

ہوگی۔ ان کے علاوہ اور کوئی علم ہے ہی نہیں۔

اب یہاں پر کوئی یہ اشکال کرسکتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں تو فقہ بہت اونچا سمجھا جاتا ہے جو بظاہر ان دونوں علوم سے الگ تھلگ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ قرآن و حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ درایت حدیث ہے کہ ہر ایک مجتہد نے مختلف احادیث کے مجموعہ سے کوئی حدیث لے کر اس کی سند حذف کر کے لکھدیا کہ یہ معمول بہا ہونا چاہیے۔ دوسرے مجتہد نے دوسری حدیث کو راجح سمجھ کر اس کو معمول بہا بنادیا۔ تو درحقیقت فقہ قرآن و حدیث سے الگ چیز نہیں ہوئی۔

جو لوگ احناف پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ[1] برتتے ہیں۔ علم فقہ قرآن و حدیث کے معارض ومنافی نہیں بلکہ علم فقہ ان دونوں کا خلاصہ ہے۔ فقہاء نے غور وفکر کر کے قرآن و حدیث کے مسائل کو آسانی کے واسطے ایک جگہ جمع کردیا جس کا نام علم فقہ ہوگیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

”جَمِيعُ مَاتَقُوْلُهُ الْأَئِمَّةُ شَرْحٌ لِلسُّنَّةِ، وَجَمِيعُ تَقُوْلُهُ السُّنَّةُ شَرْحٌ لِلْقُرْآنِ“[2]

اور فقہاء نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ ایک عالم دین کو تو حدیث سے مسئلہ مل جائے گا، مگر عامی شخص کو نہیں ملے گا، جیسے حدیث میں بحالت صوم اپنی بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت بھی ہے اور ممانعت بھی[3] یہاں عامی کیا کرسکتا ہے اس کے سامنے تو

[1] تجاہل عارف: یہ علم بدیع کی محسنات معنویہ کی ایک قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو ایک وجہ معلوم ہے لیکن تعجب، تعریف، ذم، ڈانٹ یا انکار کے لئے اس وجہ سے ناواقفیت کا اظہار کررہا ہے۔ (دیکھیے ”تحفۃ الطلباء“ ص۲۰۴)

[2] مقدمة التعليق الصبيح ۳/۱.

[3] اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ فِيْ شَهْرِ الصَّوْمِ (ترمذی) وَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي

مسائل کی شکل وہ ہونی چاہیے جس پر وہ عمل کرسکے، چنانچہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کر کے بتلایا کہ حدیث نہی جوان کے لئے ہے اور حدیث اباحت بوڑھے کے لئے، کیونکہ جوان بے قابو ہوسکتا ہے، مگر بوڑھا نہیں ہوگا۔

یہی حال علم تفسیر کا ہے کہ وہ بھی قرآن پاک کی شرح ہے۔ اسی طرح اصول فقہ مستقل کوئی فن نہیں، بلکہ اس میں فقہ کے دلائل مذکور ہیں۔

قرآن حدیث فقہ

حدیث شریف قرآن کی تفسیر ہے اور فقہ کا متن ہے گویا کہ حدیث شریف شرح بھی ہے اور متن بھی ہے۔ شرح اس طریقہ سے ہے کہ باری تعالیٰ نے دو باتوں کی ذمہ داری لی ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾[1]

اس ذمہ داری سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں ہوتا اور اس کلام کی عظمت وجلالت پر باری تعالیٰ پردہ نہ ڈالتے تو تحمل کسی کے بس میں نہیں تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام دوسرے عالم کا ہے۔ دنیا میں ملکوں کے بدلنے سے زبانیں بدلتی ہیں اور تلفظ دشوار ہوجاتا ہے اور یہ تو دوسرے عالم کا کلام ہے اس لئے آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی کے نزول سے قبل عالم

الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ، فَرَخَّصَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُبْلَةِ لِلشَّيْخِ وَلَمْ يُرَخِّصُوْا لِلشَّابِّ، (ترمذی، باب ماجاء فی القبلة للصائم: ۱/۱۵۴)

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں مباشرۃ کے متعلق یہ صراحت آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اجازت دی دوسرے کو منع فرمایا، جنہیں اجازت دی وہ بوڑھے تھے اور جنہیں منع فرمایا وہ جوان تھے۔ (مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، الفصل الثانی: ص۱۷۶)

[1] سورۂ قیامۃ، آیت نمبر ۱۷ و ۱۸، پ ۲۹۔

بالا سے تعلق کی مشق کروائی جاتی ہے، جیسے عالم بالا کے تصرفات سے خواب کا آنا، فرشتوں سے اُنسیت پیدا کرنے کے لئے روشنی کا نظر آنا وغیرہ۔[1]

لہٰذا اس قرآن کا صحیح مصداق و معنیٰ جب تک رسول نہ بتائے معلوم نہیں کر سکتے تھے، جیسے رکوع وسجود کی کیفیت وغیرہ، لہٰذا قرآن کی تشریح فعل رسول سے ہوئی۔ معلوم ہوا قرآن وحدیث کا تعلق ایسا ہے جیسے جڑ اور تنا۔ قرآن جڑ ہے اور حدیث شریف تنا ہے اور اس تنے پر جو شاخیں اور پتے لگے ہوئے ہیں وہ فقہ ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کے بغیر حدیث اور حدیث کے بغیر فقہ بے بنیاد ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال تھا کہ وہ حیثیت کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ عمل کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ بعد میں جب امت میں کاہلی اور تعیش کا اضافہ ہوا تو فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعمال کی حیثیات مرتب کیں، مثلاً واجب، مستحب وغیرہ اور سیاق وسباق کو دیکھ کر جو قوانین تیار کئے اسی کو اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقلید ائمہ کیوں؟

قرآن وحدیث جو کہ احکام کے لئے سرچشمہ ہیں۔ اس میں بعض وہ احکام ہیں جو بالکل واضح اور صریح ہیں ان میں کوئی تعارض اور اجمال نہیں، اس لئے ان مسائل میں اجتہاد کا سوال نہیں، البتہ بعض وہ ہیں جن میں اجمال وتعارض ادلہ ہے، جیسے قرآن کریم میں لفظ "قروء"[2] استعمال ہوا ہے۔ اس کے لغت میں معنی حیض اور طہر دونوں ہیں، اب ایسے موقع پر انسان یا تو خود اپنی رائے اور ارادہ سے کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کرلے یا یہ کہ اسلاف میں جس کے علم اور تفقہ پر اعتماد ہو ان کے فیصلے پر عمل کیا جاوے۔ پہلی صورت تو نہایت خطرناک اتباع ہوئی سے لبریز ہے۔

[1] علوم القرآن، ص ۳۸۔

[2] سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۲۸، پ ۲۔

اس میں گمراہی غالب ہے۔ البتہ دوسری صورت کہ اسلاف میں سے جس کا تقویٰ، علم، تفقہ ہم سے بہت آگے ہو اور دور رسالت سے قریب تر زمانہ جس نے پایا ہو ان کی پیروی کرنا۔ اس کو دوسرے لفظوں میں تقلید ائمہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ پر امن راستہ ہے، چونکہ ان اسلاف کا قوت حفظ، علم وفضل، روایات پر وسعت نظر، نزول قرآن کا زمانہ و ماحول، سنت کے ارشادات کا پس منظر اور کلام عرب کی صحیح واقفیت ہم سے کئی گنا زیادہ تھی، نیز حقائق ومعارف کے انکشاف کے لئے جس تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے ان میں بطریقۂ اتم تھا، اس لئے ان کے فیصلوں پر عمل ہی زیادہ مناسب ہے۔

دوسری وجہ تسمیہ

یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث کے معنیٰ "بات" کے ہیں اور چونکہ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں اس لئے ان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ احادیث میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واحوال بھی مذکور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

تیسری وجہ تسمیہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ "فَتْحُ الْمُلْهِم"[1] میں بتلائی ہے کہ

علم حدیث کا یہ نام آیت کریمہ ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ سے ماخوذ ہے، اس لئے کہ سورۂ ضحیٰ میں پہلے باری تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بڑے اور اہم انعامات و احسانات شمار فرمائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم

[1] فتح الملهم: ۱/۱۔

ہونے کے بعد آپ کو پناہ دینا اور فقیر ہونے کے بعد غنی کرنا اور ان شرائع واحکام سے (جن کا ادراک عقل خود نہیں کرسکتی) بے خبری کے بعد ان سے آگاہ و ہدایت یافتہ کرنا کما فی قولہ تعالیٰ:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ﴾ الخ۔[1]

پھر ان تین انعامات پر تین امور کو مرتب فرمایا یعنی "نَهْيٌ عَنْ قَهْرِ الْيَتِيْمِ، نَهْيٌ عَنْ نَهْرِ السَّائِلِ اور اَمْرٌ بِتَحْدِيْثِ النِّعْمَةِ" اور ذوقِ سلیم یہ کہتا ہے کہ ترتیب بطریقِ لف ونشر مشوش ہے نہ بطریق لف ونشر مرتب، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ آپ یتیم، بے خبر اور فقیر تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو پناہ دی اور باخبر و ہدایت یافتہ فرمایا اور غنی کردیا، اب کچھ بھی ہو آپ اپنے اوپر اللہ کے ان تین انعامات کو فراموش نہ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی اقتداء کیجیے، پس آپ بھی یتیم پر مہربانی کیجیے اور سائل پر ترس کھایئے، اس لئے کہ آپ یتیمی اور فقیری کا مزہ چکھ چکے ہیں اور قول باری تعالیٰ ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ وہ مقابلہ میں ہے ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾ کے، یعنی اس بڑی نعمت (جو ہدایت بعد الضلالت ہے جس کے مقابلہ میں گویا کوئی نعمت نہیں) کا یہی حق ہے کہ آپ اس کو اللہ کے بندوں کے سامنے بیان فرمائیں اور اس کو ان میں پھیلائیں اور ان کی طرف جو بھیجا گیا وہ ان کے سامنے کھول کر واضح فرمائیں۔

اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جن کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں یہ سب اسی ہدایت کی توضیح وتحدیث وتبیین ہیں جس سے باری تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔[2]

---

[1] سورۂ شوریٰ، آیت نمبر ۵۲، پارہ ۲۵

[2] فتح الملہم: ۱/۱.

حدیث وخبر کے درمیان نسبت

اب یہاں پر ایک علمی بحث ہے وہ یہ کہ حدیث کے معنی کلام اور بات کے ہیں اور خبر کے معنی بھی بات کے ہیں تو آیا اب اس علم کو "علم الاخبار" کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کو "علم الاخبار" کہا جاسکتا ہے، جیسے "علم الحدیث" بھی اس کا نام ہے۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ خبر وحدیث میں کیا نسبت ہے؟ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دونوں مساوی ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عموم وخصوص مطلق کی نسبت

---

[1] حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

احقر کے نزدیک صاف اور بے غبار بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے لئے لفظ "حدیث" کو مخصوص کرلینا استعارۃ العام للخاص کی قبیل سے ہے اور اس استعارہ کے مأخذ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ہیں جن میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال وافعال کے لئے لفظ "حدیث" استعمال فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے:

"حَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ" (مسلم: ۲/۴۱۴، کتاب الزهد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابة الحدیث)

"اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِيْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ هُمْ خُلَفَآءُ كَ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَرْوُوْنَ أَحَادِيْثِيْ وَ يُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ" (دیکھئے حاشیہ: ص۲۵)۔

"مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِيْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا" الخ (مشکوٰة، کتاب العلم فی الفصل الثالث، ص ۳٦)

"مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ يُرٰى أَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ" (مسلم)

"اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ" (مشکوٰة، فی الفصل الثانی من کتاب العلم)

بہرحال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے لئے لفظ "حدیث" کا استعمال زمانۂ مابعد کی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں دور دراز کی توجیہات کی کوئی حاجت نہیں۔ (درس ترمذی: ۱/۲۰)

ہے،[1] بایں طور کہ حدیث تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور خبر کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اخبار ملوک پر بھی ہوتا ہے۔ اخبار ملوک کو اخبار ہی کہہ سکتے ہیں حدیث نہیں کہہ سکتے اور خبر کے عموم ہی کی وجہ سے یہ اخبارات جو شائع ہوتے ہیں ان کو اخبار کہا جاتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر لفظ خبر کے اطلاق کی وجہ اس کا معنی لغوی ہے (یعنی وہ بات کے معنی میں ہے) تو کلام بھی تو بات کے معنی میں ہے لہٰذا حدیث کو کلام کیوں نہیں کہتے؟ جواب یہ ہے کہ کلام تو خبر و حدیث دونوں سے عام ہے، مگر چونکہ عرف نے لفظ کلام کو ایک خاص فن و علم یعنی عقائد کے ساتھ خاص کر دیا ہے، اس لئے اس کا اطلاق بخوف التباس حدیث پر نہیں کیا جاتا۔

امرِ خامس ''مؤلف''

مؤلف دو ہوتے ہیں: ایک مؤلفِ فن دوسرے مؤلفِ کتاب۔ یہاں مؤلفِ فن یعنی اس فن کے موجد اور بانی کو ذکر کرنا ہے، اس لئے کہ یہ مقدمۃ العلم ہے اور مؤلفِ کتاب کا ذکر آگے آرہا ہے۔

عام طور سے مشہور ہے کہ حدیث کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ایک سو برس بعد ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی تالیف اس زمانہ میں ہوئی، بلکہ اس کی تالیف اور یاد داشت وغیرہ تو خود حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، چنانچہ سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تھا[2] جو انہوں نے اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا۔

[1] اَلْخَبَرُ عِنْدَ عُلَمَاءِ هٰذَا الْفَنِّ مُرَادِفٌ لِلْحَدِيْثِ، وَقِيْلَ بَيْنَهُمَا عُمُوْمٌ وَّ خُصُوْصٌ مُطْلَقًا، فَكُلُّ حَدِيْثٍ خَبَرٌ مِنْ غَيْرِ عَكْسٍ، (شرح نخبة الفكر، ص ۸)

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد سمرۃ

اس مجموعہ کی چھ احادیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں اور جہاں کہیں بھی اس مجموعہ کی کوئی حدیث ''ابوداؤد'' میں آئی ہے اس کے ابتداء میں یہ الفاظ ہوتے ہیں ''اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' یا ''اَمَّا بَعْدُ قَالَ'' وغیرہ الفاظ ہوتے ہیں۔[1]

اور اس مجموعہ کی سو کے قریب احادیث ''مسند بزار'' میں ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے ایسے مجموعے تھے جو خود حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے طور پر قلمبند کر رکھے تھے۔ ''بخاری'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہ تھیں، وجہ یہ تھی وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں زبانی یاد کر لیا کرتا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابتِ حدیث کی اجازت لے لی تھی۔[2]

بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے: ''رَوٰى عَنْ أَبِيْهِ نُسْخَةً كَبِيْرَةً'' (تهذيب التهذيب: ص۱۹۸/٤)

ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اَنَّ الرِّسَالَةَ الَّتِىْ كَتَبَهَا سُمْرَةُ لِاَوْلَادِهٖ يُوْجَدُ فِيْهَا عِلْمٌ كَثِيْرٌ'' (اسد الغابة: ۳۰٤/۲)

[1] ابوداؤد شریف کی ان چھ جگہوں کے حوالہ جات یہ ہیں:

۱. ۶۶/۱، بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوَرِ، كِتَابُ الصَّلٰوةِ، (رقم الحديث ٤٥٦)
۲. ۱٤۰/۱، بَابُ التَّشَهُّدِ، كِتَابُ الصَّلٰوةِ (رقم الحديث ۹۷۵)
۳. ۲۱۸/۱، بَابُ الْعُرُوْضِ اِذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ هَلْ فِيْهَا زَكٰوةٌ، كِتَابُ الزَّكٰوةِ (رقم الحديث ۱۵٦۲)
٤. ۳٤٦/۱، بَابٌ فِي النِّدَاءِ عِنْدَ النَّفِيْرِ يَا خَيْلَ اللّٰهِ ارْكَبِىْ، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحديث ۱۵٦۰)
۵. ۱۵/۲، بَابُ النَّهْيِ عَنِ السَّتْرِ عَلٰى مَنْ غَلَّ، كِتَابُ الْجِهَادِ (رقم الحديث ۲۷۱٦)
٦. ۲۹/۲، بَابٌ فِي الْإِقَامَةِ بِأَرْضِ الشِّرْكِ، كِتَابُ الْجِهَادِ، (رقم الحديث ۲۷۸۷)

[2] مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ (اَىِ النَّبِيَّ

خود عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ میں جس قدر احادیث سن لیتا تھا ان کو لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ قریش نے مجھے یہ کہہ کر روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں بہت سی باتیں غصہ میں کہہ دیتے ہوں گے اس لئے تم حدیثیں نہ لکھو! میں ان کے کہنے سے رک گیا، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لکھ لیا کرو اس زبان سے کسی بھی حالت میں ناحق بات نہیں نکل سکتی،[1] چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا، جس کا نام انہوں نے "الصادقه"[2] رکھا تھا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مجموعۂ احادیث کو اپنی زندگی کی متاعِ عزیز سمجھتے تھے۔ ان کا قول ہے:

"مَا يُرَغِّبُنِيْ فِي الْحَيَاةِ إِلَّا الصَّادِقَةُ"

یعنی "كِتَابُ الصَّادِقَة" مجھ کو زندگی کا لطف دے رہی ہے۔ ان کو کسی حال میں اس کی مفارقت گوارہ نہ تھی اور اس پر بہت ناز تھا، فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے:

"فَأَمَّا الصَّادِقَةُ فَصَحِيْفَةٌ كَتَبْتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

یعنی صادقہ کو میں نے رسول اللہ کی زبانِ مبارک سے سن کر لکھا ہے۔[3]

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مِنِّيْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ، (بخاری: ۲۲/۱، بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، كِتَابُ الْعِلْمِ، رقم الحديث ۱۱۳)

[1] عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيْدُ حِفْظَهٗ، فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَ قَالُوْا اَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهٗ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَاَ بِاِصْبَعَيْهِ اِلٰى فِيْهِ فَقَالَ: اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ، (اَبُوْ دَاوُدَ، بَابٌ فِيْ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، كِتَابُ الْعِلْمِ، رقم الحديث ۳۶۴۶)

[2] ابن سعد: ۳۷۳/۲. [3] سنن الدارمی: ۱۰۵/۱.

یہ صحیفہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا[1] اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں۔ کتبِ احادیث میں "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ" کی سند سے جو حدیث آتی ہے وہ اسی مجموعہ "الصادقة" کی ہوتی ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض وسنن اور دیت کے مسائل پر مشتمل ایک تحریر لکھوا کر عمرو بن حزم صحابی کے ہاتھ اہل یمن کے پاس بھیجی تھی۔[3] اس نوشتہ کے جستہ جستہ ٹکڑے احادیث وسیر کی کتابوں میں ملتے ہیں "مُسْتَدْرَكِ حَاكِم" میں اس کتاب کی (۶۳) حدیثیں منقول ہیں۔

اس کے علاوہ ایک نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام روانہ فرمایا تھا، جس کی حدیثیں "مُصَنَّفُ ابْنُ أَبِي شيبه" میں امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں۔

اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اپنے طور پر تحریری مجموعے قلم بند کر رکھے تھے۔[4] لہٰذا حدیث کی کتابت اور جمع تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں ہوچکی تھی، البتہ کتابی شکل میں اور تصنیف کی شکل میں یہ ذخیرہ بعد میں منتقل کیا

[1] تهذيب التهذيب: ۴۹/۸.

اور ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حافظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں کہ "وَجَدَ شُعَيْبٌ كُتُبَ عَبْدِاللّٰهِ" اس میں لفظ کتب (کتابیں) بتاتا ہے کہ ان کی صرف ایک ہی کتاب نہ تھی بلکہ متعدد کتابیں تھیں جو ان کو ملیں۔ (۵۴/۸)

[2] تهذيب التهذيب: ۴۹/۸.

[3] طحاوی: ۴۱۷/۲.

[4] مثلاً صحیفۂ انس بن مالک۔ (دیباچہ صحیفۂ ہمام بن منبہ، از محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب) صحیفۂ علی۔ (مستدرك حاكم، ۵۷۴/۳) صحیفۂ وائل بن حجر۔ (معجم صغير للطبرانی، ص۲۴۱ و ص۲۴۲) صحیفۂ ابن عباس، صحیفۂ ابن مسعود، صحیفۂ جابر بن عبداللہ، صحیفۂ سعد بن عبادہ۔

گیا۔

یہ بحث کوئی مہتم بالشان بحث نہ تھی، مگر حمقاء زمانہ نے اس کو مہتم بالشان بنا دیا، کیونکہ عام طور سے فرقۂ قرآنیہ (وہ فرقہ جو صرف قرآن کو حجتِ شرعیہ مانتا ہے حدیث کو نہیں) اور آوارہ قسم کے روشن خیال حضرات خاص طور سے اچھالتے ہیں کہ بھلا ایسی احادیث کا کیا اعتبار جو ایک سو برس بعد لکھی گئیں، لیکن یہ لوگ بکواسِ محض کرتے ہیں، ورنہ ابھی معلوم ہوگیا کہ جمع و کتابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے شروع ہوچکی تھی، البتہ تصنیف وتبویب بعد میں ہوئی۔

علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت

ایک طرف آفتاب اسلام کی کرنیں حدودِ عرب سے نکل کر کائنات کے در و دیوار سے ٹکرائیں اور اسلامی علوم و معارف اور ان کے رجال مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام، اور مصر وغیرہ سے باہر نکل کر ایشیا، افریقہ اور حدود یورپ میں داخل ہوئے اور دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو درحقیقت اسلام کے چلتے پھرتے مدرسے اور اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر تھے دنیا سے اٹھنے لگے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزم عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہوچلی، چنانچہ بصرہ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کا انتقال سن ۹۳ھ میں ہوا ہے۔[۱] یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی دو چار کبیر السن[۲] صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ کہ جو جلد ہی فوت ہوگئے خورشید نبوت سے براہ راست کسبِ نور کرنے

[۱] سیر الصحابہ: ۳/۱۲۲. البدایہ والنہایہ (اردو) ۹/۱۶۹.

[۲] مثلاً ابو نعیم الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۹۶ھ یا ۹۷ھ (البدایہ والنہایہ (اردو) ۹/۲۹۶) ابوامامہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۰۰ھ (حوالہ بالا ص۲۷۴) ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے آخر میں انہی کی وفات ہوئی، متوفی ۱۰۰ھ،

والے تمام ستارے غروب ہوچکے تھے۔

ماہ صفر سن ۹۹ھ میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سریر آرائے خلافت ہوئے۔[۱] آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کیا گیا ہے اور آپ پہلی صدی کے مجدد ہیں۔[۲] آپ نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہوچکی۔ اکابرین تابعین میں کچھ تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہی چل بسے۔ باقی جو ہیں ایک ایک کرکے سارے مقامات سے اٹھتے جارہے ہیں، اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں؟ اور حدیث پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے؟

ادھر شیعہ، خوارج، قدریہ، نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھا رہے تھے، جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے، اس لئے آپ نے فوراً تمام ممالک کے امراء کے نام فرمان بھیجا کہ میں علم حدیث کے مٹنے اور علماء

بعض نے ۱۰۷ھ بتلایا ہے۔ (حوالۂ بالا)

[۱] سن ۹۹ھ بروز جمعہ ماہ محرم (یا صفر) میں آپ کے دست حق پرست پر خلافت کی بیعت ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ: ۹/۲۶۶ اردو)

[۲] شیخ الاسلام بدرالدین ابدال رحمہ اللہ تعالیٰ "رِسَالَةٌ مَرْضِيَّةٌ فِيْ نُصْرَةِ مَذْهَبِ الْاَشْعَرِيَّةِ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّ الْمُجَدِّدَ اِنَّمَا هُوَ كَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى الْمِأَةِ الْاُوْلٰى" الخ. (مجموعة الفتاوى: ۱/۱۳۱)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ (حوالہ بالا، ص۱۳۳)

اس موضوع پر تفصیل دیکھنا ہو تو "اَلْفَوَائِدُ الْحُجَّةِ فِيْ مَنْ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ" مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور "متنبه بمن يبعثه اللّٰه على رأس المأة" کا مطالعہ کیجیے۔

کے اٹھنے کا خوف کرتا ہوں، لہٰذا اپنے اپنے بلاد کے علماء کو حکم کریں کہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں ان کو جمع کریں، چنانچہ مدینہ منورہ کے قاضی و عامل ابوبکر بن محمد بن حزم رحمہ اللہ کے نام جو خط لکھا اس میں یہ عبارت موجود ہے:

"اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذِهَابَ الْعُلَمَآءِ"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تلاش کر کے قلمبند کرو، کیونکہ مجھے آئندہ علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے۔[1]

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔

حافظ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے لکھا اور انہوں نے سب سے پہلے حدیثیں لکھ کر دارالخلافۃ بھیجیں۔ امام زہری کے دفاتر میں اتنی حدیثیں تھیں کہ ان کی کتبِ حدیث ولید بن یزید کے قتل کے بعد سرکاری خزانے سے سواریوں پر لاد کر لائی گئیں۔

قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے وقت میں مدینہ کے بڑے علماء میں سے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

"لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَهُ مِنْ عِلْمِ الْقَضَآءِ مَاكَانَ عِنْدَ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ"[2]

یعنی اس وقت مدینہ میں علم قضاء کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔[3]

---

[1] بخاری: ۲۰/۱، باب كيف يقبض العلم، كتاب العلم.

[2] توجيه النظر، ص۷

[3] "توجيه النظر الى اصول الاثر" ۴۸/۱۔ یہ علامہ طاہر بن صالح الجزائری رحمہ اللہ تعالیٰ (م، ۱۳۳۸ھ، جو چودھویں صدی کی ابتدا کے مشہور عالم ہیں) کی علم اصول حدیث میں بڑی جامع کتاب

علاوہ ازیں ان کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات، دیات، اور سنن کے کچھ احکام بھی وراثۃً موجود تھے۔ موصوف بڑے عابد شب بیدار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ چالیس سال ہونے کو آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے۔

آپ نے امیر المؤمنین کے حسب ارشاد حدیث میں متعدد کتابیں لکھیں، لیکن افسوس کہ قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وفات پا چکے تھے۔ آپ نے ۲۵/ رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی[1] مدت خلافت ۲/ سال ۵/ ماہ ہے۔ یہی مدت کم و بیش حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بھی ہے۔

مدوّنِ اول

سب سے پہلے کس نے اس فن کو مدون اور مبوب کیا؟ ائمہ محدثین و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حدیث کے مدون امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔[2] ان کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے۔

ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق و حاشیہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔

[1] توجيه النظر: ۴۸/۱.

[2] ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلۂ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کو زہری کہا جاتا ہے اور ان کے جد امجد شہاب بہت مشہور آدمی تھے اس لئے ان کی طرف نسبت کر کے ان کو ابن شہاب کہتے ہیں۔ (تذكرة الحفاظ، ۱۰۸/۱، تهذيب الكمال، ۴۱۹/۲۶. فتح البارى، ۲۲/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"اِتَّفَقُوْا عَلٰى اِتْقَانِهٖ وَ اِمَامَتِهٖ"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لَمْ يَبْقَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِسُنَّةٍ مَّاضِيَةٍ مِنَ الزُّهْرِيِّ"

اور لیث بن سعد کا قول ہے:

اور بعض محدثین ومؤرخین کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے مدوّن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں[1] اور ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ جو لوگ ان کو ترجیح دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بَابٌ كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ"[2] کے ذیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا جو خط نقل کیا ہے اس میں انہیں کا نام مذکور ہے، اور "مؤطا امام محمد"[3] میں ہے کہ ان کو حکم فرمایا گیا، لیکن ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ پہلے معلوم ہوگیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے امرائے اجناد کو خطوط لکھ کر جمع حدیث کا حکم فرمایا تھا[4] تو بہت ممکن

"مَا رَأَيْتُ عَالِمًا قَطُّ أَجْمَعَ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَإِنْ حَدَّثَ عَنِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ فَكَذٰلِكَ"

زہری جیسا جامعیت کا حامل میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا، اور قرآن وحدیث کو بیان کرنے والا ان سے بہتر کوئی نہیں پایا۔

یہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ "أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْحَدِيْثَ" کے مصداق ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب كتابة العلم" میں انہی کو مدون اول قرار دیا ہے۔

(فتح الباری: ۲۰۸/۱)

اسی طرح ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدون اول ابن شہاب زہری ہیں۔ (حلية الاولياء: ۳۶۳/۳)

[1] ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ: یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ عالم، فاضل، متقی، عابد اور شب زندہ دار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ: چالیس سال تک یہ کبھی رات کو بستر پر نہیں لیٹے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: مدینہ منورہ میں ان سے زیادہ کسی کو قضاء کا علم نہیں تھا۔ (تهذيب الكمال: ۱۳۷/۲۳)

[2] "كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ ذِهَابِ الْعِلْمِ وَ ذِهَابِ الْعُلَمَاءِ" (بخاری: ۲۰/۱)

[3] مؤطا امام محمد: ۴۶۰/۳، باب اكتتاب العلم، ابواب السير.

[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابونعیم اصفہانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

"كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ اِلَى الْاٰفَاقِ اُنْظُرُوْا حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ہے کہ ایک امیر نے ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کو اور دوسرے نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو حکم دیا ہو۔ زمانہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔

بہر حال یہ دونوں نام تو علی العموم ملتے ہیں، لیکن تاریخ میں اس کے علاوہ اور بھی دوسرے حضرات کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ یہ اول مدوّن ہیں، مثلاً امام مالک، معمر، ابن جریج، ابن مبارک، ہشیم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ ان سب کے تراجم میں ملے گا کہ یہ لوگ اول مدوّن ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں تار برقی ڈاک وغیرہ کا یہ سلسلہ تو تھا نہیں جواب ہے۔ ایسے نہ ریل تھی، نہ ہوائی جہاز، موٹریں وغیرہ، بلکہ یہ دستور تھا کہ اگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا حال معلوم کرنا ہوتا یا سلام وخیریت وغیرہ کہلانی ہوتی تو جو قافلہ کسی غرض سے اس طرف جاتا یا کوئی ملنے کے واسطے آیا ہوتا اور وہ واپس جاتا یا حج کر کے لوگ واپس جاتے تو ان کے ساتھ ایک پرچہ دیدیا کرتے تھے۔ جب وہ اس مقام پر پہنچتا تو تلاش کرا کر دیدیا کرتا۔ اس میں بسا اوقات ایک دو سال بھی لگ جایا کرتے تھے۔ غرض کہ ایک کو اپنے سے دور رہنے والے کا حال چونکہ بالکل معلوم نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی کوئی کتاب حدیث کی کسی طرح دوسری جگہ پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہی شخص اول مدوّن ہوگا، اس لئے کہ ان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوا کرتی تھی کہ اس سے پہلے بھی ایک کتاب اور تصنیف کی جا چکی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے تو کتابی شکل میں جمع کیا اور پھر جوں جوں زمانہ گذرا تہذیب وتنقیح وتبویب ہوتی چلی گئی اور اس فن میں جلا پیدا ہوتا گیا اور دوسرے محدثین نے ہر باب کی احادیث الگ الگ جمع کر دیں، مثلاً زکوٰۃ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْمَعُوْهُ" (فتح الباری: ۱۹۵/۱)

حافظ ابوعمرو بن عبدالبر نے نقل کیا ہے:

"يُحَدِّثُ سَعْدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ: اَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ"

(جامع بيان العلم: ۷۶/۱)

کی ”کتاب الزکوٰۃ“ میں اور نماز کے متعلق روایات ”کتاب الصلوٰۃ“ میں وغیرہ وغیرہ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں ایک الفیہ لکھا ہے جو ”الفیۃ سیوطی“ کے نام سے مشہور ہے، (اس کو الفیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ہزار اشعار ہیں) اس میں ان حضرات کے اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں جن کو اول مدوّن کہا گیا ہے اور چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اول جامع کہا جاتا ہے اس وجہ ان کا نام بھی مذکور ہے وہ اشعار یہ ہیں ؎

أَوَّلُ جَامِعِ الْحَدِيْثِ وَالْأَثَر ... اِبْنُ شِهَابٍ اَمَرَ لَهٗ عُمَرُ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ لِلْأَبْوَابِ ... جَمَاعَةٌ فِي الْعَصْرِ ذُوْ اِقْتِرَابٍ
كَابْنِ جُرَيْجٍ وَ هُشَيْمٍ وَمَالِكٍ ... وَمَعْمَرٍ وَوَلَدِ الْمُبَارَكِ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِاِقْتِصَارٍ ... عَلَى الصَّحِيْحِ فَقَطُ الْبُخَارِيُّ
وَمُسْلِمٌ بَعْدَهٗ وَ الْأَوَّلُ ... عَلَى الصَّحِيْحِ فِي الصَّحِيْحِ أَفْضَلُ[1]

عمر سے مراد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ ان اشعار میں سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول مدون ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتلایا ہے۔ اب چونکہ یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کو بھی تو اول مدون کہا گیا ہے تو علامہ ان دونوں میں جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”واول الجامع“ الخ یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ پر جو اول جامع کا اطلاق کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ ان حضرات نے سب سے پہلے ابواب کی شکل میں احادیث کو مرتب کیا۔ جمہور کا یہی جواب ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

وَأَوَّلُ الْجَامِعِ بِاِقْتِصَارٍ ... عَلَى الصَّحِيْحِ فَقَطُ الْبُخَارِيُّ

چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی اول جامع کا اطلاق ہے اس لئے علامہ

[1] مقدمہ اوجز: ۱/۱۸۔

سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: امام پر اول مدون کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے احادیث صحیحہ مجردہ کو سب سے پہلے جمع کیا۔

تیسری وجہ اس تعارض کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ: یہ اوّلیت باعتبار بلاد کے ہے مثلاً مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، بصرہ میں ابن جریج رحمہ اللہ تعالیٰ اور ریَ (ایران) میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ، یمن میں معمر بن راشد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے اول احادیث کو جمع کرنے والے ہیں۔

احادیث پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات

برصغیر میں علم حدیث نہایت پرسکون ماحول میں پڑھایا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے اذہان میں کوئی خلجان وشک نہیں ہوتا، جس کی اصل وجہ ایک صدی سے اکابرین کی مسلسل محنت اور ہر آبادی میں عامۂ فضلاء مدارس عربیہ کی ایک معتد بہ تعداد ہے۔ اس کے بالمقابل موجودہ عرب ممالک میں اور خاص کر شرق اوسط[1] میں اس علم کے متعلق عوام کے ذہن میں بہت سارے اشکالات ہیں، جن کی وجوہات یہ ہیں:

❶ ...... پچھلی ایک صدی سے اکابرین کی جو محنت یہاں ہوئی وہ وہاں نہ ہوسکی۔

❷ ...... فضلاء دین کی تعداد میں نہایت کمی۔

❸ ...... یہود ونصاریٰ کی آبادی کی کثرت، جو مستقل علوم اسلامیہ کو پڑھ کے اس کے ذریعہ سے حدیث شریف کے متعلق عوام میں شکوک پھیلاتے ہیں۔ ابھی ابھی اس ملک میں یہودی ذہنیت کے مالک بہت سارے غیر مسلم اور نام نہاد مسلم حضرات بھی طرح طرح کے اشکالات علوم اسلامیہ پر کرنے لگے۔ ان مشہور اشکالات میں

[1] شرق اوسط سے مراد: سعودیہ، یمن، خلیجی ریاستیں، عراق سوریا (شام) ایران، اردن، فلسطین، لبنان، مصر، ترکی کا کچھ حصہ۔

سے صرف چند کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے، باقی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

اوّل: ......احادیث اسلامی قانون سازی میں حجت نہیں ہیں، اگر یہ حجت ہوتیں تو دورِ رسالت یا دورِ صحابہ میں اس کو باقاعدہ لکھوا دیا جاتا، جیسے قرآن کریم کو لکھوا دیا گیا تھا، معلوم ہوا احادیث شریفہ ایسی ہیں جیسے بزرگوں کے اقوال۔

دوم: ...... احادیث شریفہ کی تدوین ایک طویل دور کے بعد ہوئی ہے، تو صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کیسے ہوسکتا ہے؟

یہ جو اشکال کیا جاتا ہے کہ دورِ رسالت میں کتابت حدیث کا کام کیوں نہیں ہوا؟ اس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں:

پہلا جواب: ......اس کا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینکڑوں کام تھے جہاد کی مشغولیت، مسائل کا سیکھنا سکھانا اور پھر حسب ضرورت کسبِ معیشت وغیرہ وغیرہ، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینکڑوں مشاغل کے دوران جن میں فتنۂ ارتداد وغیرہ بھی شامل ہے احکام فرعیہ کی تدوین کا موقعہ نہیں ملا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس کی تدوین ہوئی۔

دوسرا جواب: ...... یہ ہے کہ صحیح مسلم شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: تم صرف قرآن کو لکھا کرو میری احادیث مت لکھو اور جو کچھ تم نے احادیث لکھ لی ہیں ان کو مٹادو۔[1]

تو چونکہ اس حدیث سے ممانعت ثابت ہو رہی ہے، اس لئے علماء سلف میں

[1] "لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ" (مسلم: ۲/۴۱۴، بَابُ التَّثَبُّتِ فِي الْحَدِيْثِ وَحُكْمِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، كِتَابُ الزُّهْدِ)

کتابت حدیث کے متعلق تین مذاہب ہوگئے۔

۱ ایک جماعت یوں کہتی ہے کہ جب اباحت وممانعت میں تعارض ہوجائے تو ممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔

۲ دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے، اس وجہ سے حدیث کا لکھنا اور لکھوانا جائز ہے، مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی ابوشاہ یمنی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجیے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٍ"[1]

اس خطبہ میں کیا تھا احادیث ہی تو تھیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حدیث جمع کرنے کا واقعہ تفصیل سے گذر[2] چکا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

"اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَايَخْرُجُ اِلَّا الْحَقُّ"

"یعنی لکھو اس لئے کہ اس زبان سے غصہ میں یا خوشی میں سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا"[3] کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث کا حکم دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا، ورنہ کم از کم اجازت تو ضرور ہے۔

ایسے ہی ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بعض حضرات نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ احکامات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ کر دیئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صحیفہ کے علاوہ اور اس فہم کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور کوئی شئ نہیں اور اس صحیفہ میں زکوٰۃ، دیات، قصاص، امان وغیرہ کے

[1] ترمذی: ۲/۱۰۷، باب ماجاء في الرخصة فيه، ابواب العلم، رقم الحديث ۲۶۶۷. بخاری: ۱/۲۱، ۲۳، باب كتابة العلم، كتاب العلم.

[2] دیکھیے! صفحہ ۳۷ حاشیہ نمبر (۱)۔

[3] ابوداؤد، باب في كتابة العلم، كتاب العلم، رقم الحديث ۳۶۴۶.

احکام تھے۔[1]

اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس قسم کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی اجازت دی ہے۔[2]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف شاگردوں نے صحائف لکھے۔ انہی میں سے ایک "صَحِيْفَةُ هَمَّام بْنِ مُنَبِّهْ" ہے جس سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں "هٰذَا مَا حَدَّثَنَاهُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ" کر کے روایت نقل فرماتے ہیں۔[3] انہی مذکورہ احادیث سے اس دوسری جماعت نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حدیث کی کتابت جائز ہے۔

❸ تیسری جماعت نے دونوں قسم کی روایت کو جمع کرنے کے لئے ایک تیسرا

[1] بخاری، باب كتابة العلم، كتاب العلم، رقم الحديث١١١، (یہ حدیث "بخاری شریف" میں اور بھی کئی جگہ پر آئی ہے)

[2] مثلاً ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: "اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ" (ترمذی: ۱۰۷/۲)
رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پر فرمایا: "اُكْتُبُوْا ذٰلِكَ وَلَا حَرَجَ"
(تدريب الراوي، ص ۲۸٦ (٦٣/٢) والمحدث الفاضل، ص ٣٦٩)
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:
"قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ" (جامع بيان العلم، ص ٧٢، والمحدث الفاضل، ص ٣٦٨) (دیکھیے "حجیت حدیث" ص ۱۲۳ "تدوین حدیث" ص ۵۱)

[3] حضرت ہمام بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کا جو مجموعہ مرتب کیا تھا اس کا نام حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "كَشْفُ الظُّنُوْن" میں "اَلصَّحِيْفَةُ الصَّحِيْحَةُ" ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں اس صحیفہ کو بتمامہا نقل کر دیا ہے۔ چند سال پہلے اس صحیفہ کا اصل مخطوط دریافت ہوگیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ جرمنی میں برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسرا نسخہ دمشق کے کتب خانہ "مجمع علمی" میں ہے۔ سیرت اور تاریخ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان دونوں نسخوں سے مقابلہ کر کے یہ صحیفہ شائع کر دیا ہے۔ اس میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث ہیں اور جب مسند احمد سے اس کا مقابلہ کیا گیا تو کہیں ایک حرف یا ایک نقطہ میں بھی فرق نہیں تھا۔

مذہب یہ بیان کیا کہ یاد کرنے کے لئے لکھ لے اور جب یاد ہوجائے تو مٹادے، لیکن اب جمہور سلف وخلف کا اجماعی اور متفق علیہ فیصلہ ہے کہ حدیث پاک کا لکھنا لکھوانا جائز ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بَابُ كِتَابَةِ الْعِلْمِ" کے ذیل میں کتابت کا جواز ثابت فرمایا ہے۔

تیسرا جواب: یہ دیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں حفظ کا بڑا اہتمام تھا، چونکہ ان کے حافظے نہایت قوی تھے اور لاکھوں حدیثیں وہ اپنے اذہان میں محفوظ رکھتے تھے، اس لئے کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی تھی۔

حافظے مضبوط ہونے کی چند وجوہات تھیں:

❶ ...... اللہ تعالیٰ کا فضل۔

❷ ...... وہ ناخواندہ تھے اور ناخواندہ اقوام قلم کے بجائے حافظہ سے زیادہ کام لیتی ہے۔

❸ ...... عربوں کے یہاں اشعار، تقاریر، خاندانی انساب یہاں تک کہ جانوروں کے انساب بھی یاد رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، جبکہ دیگر اقوام کو یہ بات حاصل نہیں۔[1]

محدثین کا دور تو بہت بعد کا ہے، لیکن ان کے حافظے کے واقعات دیکھ کر صحابہ و تابعین کے حافظوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک دو واقعے مثال کے طور پر عرض ہیں:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ مشہور ہے کہ جنگل میں تشریف لے جارہے تھے، ایک جگہ پر خود ہی جھک گئے، شاگردوں نے عرض کیا حضور کیوں جھکے؟ امام صاحب نے فرمایا یہاں کوئی کیکر کا درخت نہیں ہے؟ تلامذہ نے عرض کیا کہیں نہیں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا حافظہ اتنا کمزور ہے تو میرا احادیث نقل کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے، لیکن جب تحقیق کی گئی تو گاؤں کے بڑے بوڑھوں نے بتلایا کہ یہاں بہت مدت پہلے ایک کیکر کا درخت تھا جواب نہیں رہا۔

[1] الاعلام، للزركلي: ١٣١/٢. حجيت حديث، ص ١١٠.

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اخیر زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے۔ بینائی کے زمانہ میں کبھی اس جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے سے گزرے ہوں گے جو ان کو اب تک یاد رہا۔[1]

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حافظے کا یہ حال تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ: جب میں مقام بقیع (اس جگہ مدینہ کا بازار لگا کرتا تھا) سے گذرتا اپنے کان اس خوف سے بند کرلیا کرتا تھا کہ کہیں اس میں بیہودہ باتیں نہ پڑ جائیں، خدا کی قسم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے کان میں کوئی بات پڑگئی ہو پھر میں اسے بھول گیا ہوں۔[2]

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حدیث و رجال کے مشہور ائمہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

پچاس سال ہوئے جب میں نے حدیثیں لکھیں تھیں اور وہ میرے گھر میں رکھی ہوئی تھیں، لکھنے کے بعد اس پورے پچاس سال کے اندر ان حدیثوں کا میں نے دوبارہ مطالعہ نہیں کیا ہے، لیکن جانتا ہوں کہ کون سی حدیث کس کتاب میں ہے اور اس کتاب کے کس ورق اور کس صفحہ پر ہے، اور کس طرح ہے۔[3]

تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنے زبردست حافظے دیئے تھے تو ان کو جمع کرکے تصنیف وتالیف کرنے کا کیا فائدہ ہوتا؟ بلکہ ان کا سینہ خود علم کا خزینہ تھا۔

ایک اور اشکال

تدوین جب ایک طویل عرصہ بعد ہوئی تو پھر صحیح اور موضوع روایات میں امتیاز کیسے ہوسکتا ہے؟

[1] امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، مگر تتبع کے باوجود حوالہ نہ مل سکا۔ مختلف حضرات واساتذۂ کرام سے سنا ضرور ہے۔ (مرغوب)

[2] جامع بیان العلم: ۱/۶۹۔

[3] تہذیب: ۲۳/۷

جواب

اس بات کو سمجھنے کے لئے کچھ تاریخی پس منظر سمجھنا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب خانہ جنگی شروع ہوئی تو امت میں چار جماعتیں بنیں:

۱ ...... اصلی مسلمان اہل السنۃ والجماعت۔

۲ ...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والے۔

۳ ...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرفداری میں غلو کرنے والے۔

۴ ...... ان دونوں کو صحابی ہی نہ ماننے والے۔

یہ آخری تین گمراہ فرقے سیاسی طور پر وجود پذیر ہوئے۔ اب ہر باطل فرقہ اپنی تائید میں احادیث کو بیان کرنے لگا اور وضع احادیث کا دروازہ کھل گیا۔ اس وقت امت میں جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حیات تھے انہوں نے احادیث کے سلسلہ میں احتیاط شروع کی اور جو بھی حدیث شریف بیان کرتا اس سے سند مانگنا شروع کردی۔ اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو موجود تھے ان کی تائید بھی ضروری سمجھی گئی، چونکہ دور رسالت سے ملحق دور تھا اس لئے وسائط نہایت کم تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سند کی بنیاد خود صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ڈالی ہوئی ہے۔

اس طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب اپنے دور میں احادیث کے سلسلے میں رجال اور سند پر زور دینا شروع کیا تو یہی چیز بعد والوں کے لئے بھی ذریعۂ امان بن گئی۔ واضعین ایک طرف وضع کا کام کرتے تھے دوسری طرف سند کے ذریعہ سے ان کی اس چوری کو پکڑ لیا جاتا، چنانچہ صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث میں برابر اسانید کو ذکر کیا جاتا ہے اور ناقدین حضرات نے رُواۃ پر جرح وتعدیل بھی مکمل کردی ہے، اس لئے اب اس میں خلجان کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہتا۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نقد کا یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کا ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نقل حدیث کے مسئلہ میں "کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ"[1] ہیں اور یہ استقرائے تام ہے۔[2]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آخری دور میں حدیث شریف کی حفاظت اور موضوع احادیث کو صحیح سے الگ کرنے کیلئے تین بنیادی کام ہوئے:

❶ ...... اسناد۔

❷ ...... نقد رواۃ۔

❸ ...... توثیق اکابر اور یہ تینوں ذرائع وثوق ہیں اس لئے احادیث پر اعتماد کے سلسلہ میں کوئی وہم نہ کیا جائے۔

ایک اور اشکال

ایک اور اشکال جو منکرین کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احادیث خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا کسی دوسرے صحابی سے سنی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کے معاملہ میں "کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" ہیں۔ اب جب تم احادیث کو قانون سازی میں داخل مانتے ہو تو پھر تمام احادیث سے ثابت ہونے والے احکام یکساں ہونے چاہئیں، یہ فرق احکام میں کیوں ہوتا ہے؟

---

[1] تدریب الراوی: ۱۹۰/۲.

"اَلصَّحَابَةُ كُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" کی تشریح کے لئے دیکھیے! تدریب الراوی ص۱۹۰/۲، "مقام صحابہ" از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، ص۶۵۔

[2] استقراء: سے مراد وہ حجت ہے جس میں کسی کلی کے حکم پر اسی کے جزئیات کے احکام سے استدلال کیا گیا ہو۔ استقراء تام: وہ حجت ہے جس میں کسی کلی پر اس کے تمام جزئیات کے تتبع احوال سے حکم لگایا گیا ہو، یہ یقین کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً ہر دیندار امانت دار ہوتا ہے، ہر بخیل دنیا دار ہوتا ہے۔ (معین المنطق: ۸۶/۲، بحث استقراء)

جواب

❶ ...... تمام کی تمام نصوص باعتبار استنباط احکام یکساں درجہ کی نہیں، جیسے قرآن کریم کی (۵۰۰) سے زیادہ آیتیں احکام سے متعلق ہیں، لیکن تمام آیتوں سے ثابت ہونے والے احکام یکساں نہیں بلکہ اس میں فرق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم سے ثابت ہونے والے احکام ایک درجہ کے نہیں تو پھر احادیث پر یہ اشکال کیوں؟

❷ ...... نصوص سے احکام کے استنباط میں قرائن کا خاص لحاظ کیا جاتا ہے۔ قرائن کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم داخلی: اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو قرینہ اسی آیت میں ہو، دوسرا کسی دوسری آیت میں قرینہ ہو۔

دوسری قسم خارجی قرائن: وہ اصول وضوابط جو اس دور میں اصولِ فقہ کے نام سے پڑھائے جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ خارجی قرائن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے نہیں تھے، مثلاً اسانید جو کہ اس وقت حدیث شریف پر اشکال کرنے والوں کے لئے پیٹ کا درد ہیں، اگر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو یہ اسانید صرف ایک قرینہ ہے بنیاد نہیں، اس لئے کہ مجتہدین کی نگاہوں میں تلقی بالقبول جس روایت کو حاصل ہو وہ قابل قبول ہوتی ہے سند نہیں دیکھی جاتی۔

حجیت حدیث

اس زمانے میں حجیت حدیث کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ منکرین حدیث نامی جو ایک گروہ ہے اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ گروہ احادیث کا سرے سے انکار کرتا ہے گویا احادیث نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ منکرین حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ وہ احادیث شریفہ کو مانتے تو ہیں، لیکن

اس کو اسلامی قانون سازی میں بے حیثیت مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے یہ احادیث بزرگوں کے اقوال کی طرح تربیت اور اصلاح اخلاق وغیرہ امور کے لئے ہیں قانون سازی کے لئے نہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس طرح قرآن کریم اسلامی قانون سازی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے احادیث شریفہ کو بھی قانون سازی میں بڑا دخل ہے۔ اب اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے اور دلیل کے لئے بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک دو عام فہم دلیلوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ ...... باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾[1]

پھر ہمارے ہی ذمہ ہے نازل کئے ہوئے قرآن پاک کی وضاحت کرنا۔

یہاں دو چیزیں ہوئیں: ایک مبیّن دوسرا مبیَّن۔ مبیّن جو وضاحت کرے اور مبیَّن جس کی وضاحت کی جائے۔ یہ دونوں مِنْ كُلِّ الْوُجُوْه الگ نہیں، صرف اعتباری فرق ہے اور یہ جو بیان کرنے والا ہے اسی کو اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں، چونکہ مبیّن بھی منجاب اللہ ہے، تو جس طریقے سے مبیَّن یعنی قرآن کریم قانون ہوا اسی طریقے سے مبیّن بھی قانون ہوا اور قانون سازی میں اس کو بھی دخل ہے، جیسے کہ مرکزی حکومت کوئی قانون بنادے اور صوبائی حکومت اس کی من مانی وضاحت کرنے لگے تو وہ ناقابل قبول ہوگی۔ اصولی طور پر مرکز سے قانون کے ساتھ جو وضاحت آتی ہے وہ بھی قانون ہی شمار ہوتی ہے، تو اصل متن اور اس کی شرح یعنی احادیث شریفہ دونوں کو ملحوظ رکھ کر قانون تیار ہوتا ہے۔

❷ ...... سورۂ نحل میں باری تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

---

[1] سورۂ قیامۃ، آیت ۱۹۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[1]

اس آیت کریمہ میں بھی دو باتوں کا ذکر ہے: ایک وحیٔ قرآن اور دوسرا اس کا بیان اور وضاحت، چونکہ قرآن کریم ایک جامع متن ہے، اس کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور یہ افہام صرف انسان کے بس میں ہے، مکہ والوں کا بھی یہ اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول فرشتہ کو کیوں نہیں بنایا؟ فرشتہ انسانوں کو وہ بات سمجھا نہیں سکتا جو ایک انسان سمجھا سکتا ہے۔ اب مقصد افہام کے لئے رسول کی زبان پر جو کلمات آتے ہیں وہ بھی اس مقصود میں شامل ہیں اس لئے بیان اور متن دونوں قانون سازی میں مساوی ہوئے۔

نکتہ

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کا کام بنیادی طور پر ضروری وضاحت کو پیش کرنا ہے۔ اب رسول جو اصل راہ ڈال کر جاتے ہیں اس پر ہر زمانہ میں ضرورت کے پیش نظر مجتہدین غور وفکر کرکے وضاحت کرتے رہیں گے اور وہ بھی قانون اسلامی شمار کیا جائے گا۔

❸ ...... "نَضَّرَ اللّٰهُ امْرًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ"[2]

(فَوَعَاهَا، پہلے زمانہ میں جب بینک نہیں تھے لوگ نقد کو برتن میں بند کرکے چھپادیتے تھے، اس کو سینتنا کہا جاتا ہے اور لفظ وعاء اسی مناسبت سے برتن پر بولا جاتا

---

[1] سورۂ نحل، آیت ۴۴۔ تَرجَمَہ: "آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین (آپ کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ (ان میں) فکر کیا کریں۔"

[2] ترمذی، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع، ابواب العلم، رقم الحديث، ٢٦٥٨.

ابوداؤد، باب فضل نشر العلم، كتاب العلم، رقم الحديث ٣٦٦٠.

ہے۔)

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ ناقل کے مقابلہ میں منقول الیہ زیادہ فقیہ ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا زبان رسالت نے یہ اعلان فرمایا کہ ان احادیث میں فقہ ہے اور فقہ قانون اسلامی ہی کا نام ہے، تو قرآن کی طرح احادیث شریفہ کو قانون کا مصدر خود زبان رسالت نے فرمایا ہے۔

۴ ...... قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلَا اِنِّیْ أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ" الخ[1]

یعنی مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن کریم کی مانند بھی ایک چیز دی گئی ہے۔

اور وہ یہ احادیث شریفہ ہی ہیں اور یہ مثلیت تعداد میں نہیں بلکہ حجیت میں ہے، چونکہ قرآن میں نماز کا اجمالی حکم ہے، اس کی تفاصیل احادیثِ شریفہ میں ہیں اور نماز انہیں تفاصیل کی رعایت کے ساتھ صحیح ادا ہوتی ہے۔ معلوم ہوا یہ قانون سازی میں حجت ہے۔

امرِ سادس اجناس

اس میں کلام مختصر ہے۔ علوم کی اجناس مقرر ہیں اور مقرر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علم کی تقسیم مختلف حیثیات و احوال کے ساتھ کی گئی ہے، مثلاً ایک تقسیم علم کی باعتبار عقلیات ونقلیات کے ہے کہ آیا یہ علم عقلی ہے یا نقلی؟ جیسے منطق وفلسفہ عقلی ہیں اور جغرافیہ، تاریخ وغیرہ نقلی۔ اس معنی کے اعتبار سے علم حدیث کی جنس نقلی ہے۔

ایک تقسیم علوم کی اصلی و آلی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ آیا یہ علم مقصود اصلی ہے یا دوسرے کسی علم کے لئے آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے علم حدیث کی جنس اصلی ہے۔

ایک تقسیم علوم کی شرعی وغیر شرعی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اس اعتبار سے علم

[1] ابوداؤد، باب في لزوم السنة، كتاب السنة، رقم الحديث ٤٦٠٤.

حدیث کی جنس شرعی ہوئی۔ تو اب خلاصہ یہ نکلا کہ علم حدیث کی جنس نقلی، اصلی، شرعی ہوئی۔

علماء نے اس سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں ہیں مثلاً "کَشْفُ الظُّنُوْنِ عَنْ أَسَامِي الْكُتُبِ وَالْفُنُوْنِ" اس میں اصلی تذکرہ تو کتابوں کا ہے مگر تبعاً اجناس پر بھی بحث کی گئی ہے اور نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "أَبْجَدُ الْعُلُوْمِ" اور مولانا محمد اعلیٰ تھانوی محدث رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "کَشَّافُ إِصْطِلَاحَاتِ الْفُنُوْنِ" وغیرہ۔ اس فن میں سب سے جامع کتاب یہی "کشاف" ہے۔

امرِ سابع مرتبۂ حدیث

علم حدیث کا مرتبہ دو اعتبار سے ہے، ایک باعتبار فضیلت، دوسرا باعتبار تعلیم۔

فضیلت کے اعتبار سے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے، کیونکہ اول نمبر پر قرآن پاک ہے اور تعلیمی حیثیت سے اس کا مرتبہ سب علوم سے آخر میں ہے، جیسا کہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر درس نظامی میں دورۂ حدیث شریف کو جملہ کتب کے اخیر میں رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے نحو وصرف اور دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، کیونکہ یہ سب علوم آلیہ ہیں اور آلہ کے درجہ میں ہیں اور آلہ مقدم ہوا کرتا ہے اور اصل مقصد مؤخر۔

امرِ ثامن قسمت وتبویب

جس طرح کتابوں کے اندر تقسیم وتبویب ہوتی ہے ایسے ہی علم کی بھی تقسیم وتبویب ہوتی ہے، چنانچہ حدیث کے آٹھ ابواب ہیں۔ یعنی ہر حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آٹھ ابواب میں سے کسی ایک باب میں داخل ہو وہ آٹھ یہ ہیں:

۱ ...... عقائد۔

❷ ......احکام۔
❸ ......تفسیر۔
❹ ......تاریخ۔
❺ ......رقاق۔
❻ ......آداب۔
❼ ......مناقب۔
❽ ......فتن۔

جو کتاب ان آٹھوں ابواب پر مشتمل ہو اس کو جامع کہتے ہیں "بخاری" جامع ہے۔

نیز ان اقسام ثمانیہ میں مستقل الگ الگ تصانیف بھی ہیں، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "کِتَابُ الْأَسْمَآءِ وَالصِّفَاتِ" اس میں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث عقائد کو جمع کیا ہے اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی "کِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ" وغیرہ۔

"ترمذی" کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کونسی قسم میں داخل ہے۔ اس کے اندر اگرچہ ابواب ثمانیہ موجود ہیں مگر اس کی ترتیب فقہی انداز پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو "کِتَابُ الطَّهَارَةِ" سے شروع فرمایا نہ کہ "کِتَابُ الْإِيْمَانِ" سے۔ جن لوگوں نے آٹھوں ابواب کا خیال کیا انہوں نے اس کو جامع بتلایا اور بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اس کی تالیف بر طریق سنن ہے اس کو "سُنَنِ تِرْمِذِيْ" بتلایا۔

امرِ تاسع حکم شرعی

علم حدیث کا حکم شرعی یہ ہے کہ جس مقام پر صرف ایک مسلمان ہو وہاں حدیث کا پڑھنا فرض عین ہے اور اگر بہت سے مسلمان ہوں تو پھر فرض کفایہ ہے۔

یہی حکم علم فقہ کا ہے، کیونکہ احادیث کی تفصیل و تبیین فقہ پر ہی موقوف ہے۔ یہ امور پورے ہوئے۔

انواعِ کتب حدیث

علم کی اجناس ہوتی ہیں اور کتاب کی انواع بیان کی جاتی ہیں۔ اب اسی کا نمبر ہے۔ انواع کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کرام نے نہایت جانفشانی سے اپنی کتابوں کو لکھنے میں جو ایک خاص اسلوب اور جدت اختیار کی ہے اور طرح طرح کی گلکاریاں کی ہیں اور مختلف طریقوں سے احادیث جمع کی ہیں وہ کس طرح سے ہیں اور کیسی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "عُجَالَةُ نَافِعَةُ" میں چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں[1] جس میں انہوں نے جوامع و سنن کو ایک شمار فرما کر اس طرح تقسیم فرمائی ہے: جوامع، مسانید، معجم، اجزاء رسائل، اربعینات، لیکن سیدی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مُقَدِّمَةُ لَامِعُ الدَّرَارِيْ" میں انتیس قسمیں بیان فرمائی ہیں[2]۔

پہلی قسم "جوامع"

جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جو علم حدیث کے ابواب ثمانیہ پر مشتمل ہو[3] یعنی عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب، رقاق، مناقب، فتن[4]۔

[1] عجالۂ نافعہ مع فوائد جامعہ ص ٥١.
[2] مقدمۃ لامع الدراری، ص ١٤٢/١ تا ٢٠٤.
[3] علامہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:
سیر، آداب، تفسیر، و عقائد فتن، احکام، اشراط و مناقب
[4] سیر: سیرت کی جمع ہے، یعنی وہ مضامین جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

''بخاری'' اور ''ترمذی'' جامع ہیں، کیونکہ ان میں یہ آٹھوں ابواب موجود ہیں، لیکن ''ترمذی'' کو ''سنن ترمذی'' بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے، البتہ ''مسلم شریف'' میں اختلاف ہے کہ آیا وہ جامع ہے یا نہیں؟ کیونکہ ''باب التفسیر'' اس میں بہت مختصر ہے۔ جن لوگوں نے اس کو بھی جامع کہا ہے تو وہ صرف اس بنا پر کہ مختصرا تفسیر کا باب موجود تو ہے اور دوسرے لوگوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا، لیکن محدثین اس پر جامع کا اطلاق کرتے ہیں۔[1]

آداب: ادب کی جمع ہے، مراد ہیں آداب المعاشرت، مثلاً کھانے پینے کے آداب۔
تفسیر: یعنی وہ احادیث جو تفسیر قرآن سے متعلق ہیں۔
عقائد: وہ احادیث یا مضامین جن کا تعلق عقائد سے ہے۔
فتن: ''فتنۃ'' کی جمع ہے، یعنی وہ بڑے بڑے واقعات جن کی پیشینگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔
اشراط: یعنی علاماتِ قیامت۔
احکام: یعنی احکامِ عملیہ جن پر فقہ مشتمل ہوتا ہے۔
مناقب: منقبت کی جمع ہے، یعنی صحابۂ کرام اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مختلف قبائل اور طبقات کے فضائل۔
رقاق: رقیق کی جمع ہے، مراد وہ باتیں جن سے دل نرم ہوں اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔

[1] شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''صحیح مسلم'' کو جامع میں تسلیم نہیں کیا، مگر دوسرے محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ مثلاً شیخ مجد الدین فیروز آبادی، حاجی خلیفہ، ملا علی قاری، نواب صدیق حسن خان صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ نے اسے جوامع میں شمار کیا ہے۔ (فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ، ۱۵۶، و ۱۵۷)

سب سے پہلی جامع ''جامع معمر بن راشد'' ہے، جو امام زہری رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت معمر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف ہے اور پہلی صدی ہجری ہی میں مرتب ہو چکی تھی، لیکن اب نایاب ہے۔
دوسری ''جامع سفیان ثوری'' ہے۔ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی استفادہ کیا، یہ بھی نایاب ہے۔
تیسری ''جامع عبد الرزاق'' ہے جو امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۲۱۱ھ) کی تالیف ہے اور دوسری صدی ہجری میں معروف ہو چکی تھی۔ یہ ''مصنف عبدالرزاق'' کے نام سے مشہور ہے اور حال ہی میں (۱۹۷۰ء ۱۳۹۰ھ سے ۱۹۷۲ء ۱۳۹۲ھ کے درمیان علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق سے) گیارہ (ضخیم) جلدوں میں (خوبصورت ٹائپ سے اعلیٰ کاغذ پر دارالقلم بیروت سے چھپ کر ''مجلس علمی'' ڈابھیل، سملک) سے شائع ہو چکی ہے۔
''جامع دارمی'' بھی مشہور جوامع میں داخل ہے۔ لیکن سب سے زیادہ مقبولیت ''جامع بخاری'' کو حاصل ہوئی ہے، اس کے بعد ''جامع ترمذی'' کو۔ (لامع الدراری: ۱/۴۴)

دوسری قسم ''سنن''[1]

اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے ابواب فقہی طریقہ سے ہوں[2] اور جس میں صرف احکام کی احادیث ہوں، جیسے سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دار قطنی، سنن بیہقی، وغیرہ۔[3]

تیسری قسم ''مسند''[4]

مسند اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صحابی کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو کہ ہر صحابی کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کیا جاوے خواہ وہ کسی مسئلہ سے متعلق ہوں، لیکن اس کی ترتیب مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔ بعض تو افضل کو مقدم کرتے ہیں۔ اس صورت میں پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات، پھر حضرت عمر

---

[1] سنن: کو ابتداء میں ''ابواب'' کہتے تھے، بعد میں اس کا نام تبدیل ہو کر ''مصنَّف'' ہو گیا اور آخر میں اس کو ''سنن'' کہا جانے لگا۔ سنن میں سب سے پہلی کتاب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ حضرت عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی جو ''ابواب الشعبی'' کے نام سے مشہور ہے۔

[2] الرسالة المستطرفة، ص۲۹.

[3] صحاح ستہ میں نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ سنن ہیں، چنانچہ ''سنن اربعہ'' کا لفظ بول کر یہی چار کتب مراد لی جاتی ہیں۔ سنن اربعہ کے علاوہ سنن بیہقی، سنن دارمی، سنن دار قطنی اور سنن سعید بن منصور اس نوع کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ سنن ابن جریج اور سنن وکیع بن الجراح اس نوع کی قدیم کتابیں ہیں، نیز مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ بھی اس نوع میں شامل ہیں۔
بعض حضرات مکحول کی کتاب السنن کو بھی اسی میں شمار کرتے ہیں۔

[4] سب سے پہلی مسند حضرت نعیم بن حماد رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات ہوں گی۔

اور بعض حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں اس میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہوں گے، مگر اس لئے کہ ان کے نام میں پہلے الف ہے، اسی طرح حضرت اسامہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حرف الالف میں ہوں گے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نمبر حرف العین میں ہوگا۔

اور بعض تقدم اسلام کے اعتبار سے ترتیب دیتے ہیں،[1] یعنی جو متقدم فی الاسلام ہو اس کی روایت کو پہلے جمع کریں گے خواہ وہ مرتبہ میں کم ہو یا زیادہ۔

بعض نے مراتب صحابہ کے اعتبار سے ترتیب دی ہے، یعنی پہلے خلفاء راشدین، پھر اصحاب بیعت رضوان وعلی ہذا القیاس۔[2]

بعض نے قبائل کے اعتبار سے ترتیب دی ہے۔ جس میں پہلے بنو ہاشم کی مرویات کو ذکر کیا ہے خصوصاً حضرت علی وحضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اس کے بعد ہر وہ قبیلہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق و رشتہ رکھتا ہو، اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث سے پہلے لائیں گے۔[3]

---

[1] لیکن ایسی تصانیف مفقود ہیں جن میں تقدم فی الاسلام کا اعتبار کیا گیا ہو۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱/۱٤٦)

[2] مثلاً خلفاء راشدین کے بعد عشرۂ مبشرہ، پھر بدریین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر شرکائے بیعت رضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر اہل حدیبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے، پھر جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، پھر صغار صحابہ، ان کے بعد عورتیں، لیکن عورتوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثوں کو مقدم کیا جائے گا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے تین صاحبزادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ، اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کوئی روایت منقول نہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کچھ (۱۸، سیر الصحابہ: ۶/۱۰۶) روایتیں منقول ہیں لیکن وہ بہت کم ہیں۔ (عجالۂ نافعہ، ص۴۹)

[3] کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلۂ بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ

پہلے زمانہ میں مسانید لکھنے کا بہت دستور تھا اور اکثر اکابر نے مسانید لکھیں ہیں، مثلاً: "مسند امام احمد ابن حنبل[1]" مسند ابی داؤد طیالسی، مسند ابن ابی شیبہ، مسند حمیدی، مسند بزار، وغیرہ۔[2]

چوتھی قسم "معجم[3]"

معجم وہ کتاب ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کو جمع کیا جائے،

تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلوں کے بنسبت بنوہاشم سے زیادہ قریب ہے۔ (مقدمۂ لامع الدراری: ۱/۱٤٦)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی۔ (عجالۂ نافعہ، ص۵۰)

[1] مسانید میں "مسند امام احمد بن حنبل" سب سے زیادہ مشہور اور نہایت جامع ومتداول ہے۔

[2] یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کبھی حدیث کی کتاب پر "مسند" کا اطلاق اس لئے بھی کردیا جاتا ہے کہ اس میں احادیث ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہوتی ہے یا اس کی ترتیب حروف وکلمات پر ہوتی ہے اور اس میں ہر حدیث کی سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مذکور ہوتی ہے، چونکہ وہ مسند اور مرفوع حدیثوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے اس کو مسند کہہ دیتے ہیں۔ بخاری اور مسلم کو مسند اسی لئے کہا گیا ہے۔ دارمی کو بھی مسند کہتے ہیں حالانکہ اس میں مرسل، منقطع اور معضل سب طرح کی احادیث ہیں، مگر مرفوعات کا ذخیرہ زیادہ ہے، (لیکن مسند کی یہ اصطلاح مشہور نہیں ہے)۔

واضح رہے مسند جس طرح اسمائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوتی ہے اگر ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہو تو ایسی کتاب بیک وقت مسند بھی کہلاتی ہے اور مصنف وسنن بھی، گو ایسی کتابیں بہت کم لکھی گئیں۔ شیخ الاسلام ابو عبد الرحمٰن بقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ اندلسی المتوفی ۲۷٦ھ، کی کتاب "مصنف کبیر" جس کو مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناموں پر مرتب کیا، اس میں ایک ہزار تین سو سے زائد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے، پھر ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو عنوانات فقہ اور ابواب احکام پر مرتب کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ مسند ومصنف بن گئی۔ (عجالۂ نافعہ، ص۱۵۹)

[3] معجم کی یہ تعریف مشہور ہے کہ شیوخ کی ترتیب پر روایات جمع کی ہوں، مگر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ تعریف صحیح نہیں۔ معجم وہ ہے جس میں حروف تہجی کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا گیا ہو، خواہ یہ ترتیب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہو یا شیوخ میں۔

چاہے اس میں شیخ کی وفات کے تقدم کا اعتبار ہو یا شیخ کے علم وفضل کا یا حروفِ تہجی کا، جیسے "معاجم ثلاثہ طبرانی" (معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر)۔

پانچویں قسم "مشیخات"

(مشیخہ) کسی بھی استاذ یا شیخ کی روایات کو یکجا جمع کر دینا خواہ وہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو، مثلاً مشیخہ ابن البخاری، مشیخہ ابن شاذان، مشیخہ ابن القاری، وغیرہ۔[1]

چھٹی قسم "اجزاء ورسائل"

اجزاء حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی خاص استاذ کی روایات کو ذکر کر دیا جائے، جیسے جزء حدیث ابی بکر، جزء حدیث مالک اور رسائل وہ ہیں جن میں کسی

اس نوع کی متعدد کتابیں مشہور ہیں، مثلاً معجم اسماعیلی، معجم ابن الغوطی، لیکن سب سے زیادہ مشہور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معاجم ہیں۔ انہوں نے تین معاجم لکھی ہیں: ایک "المعجم الکبیر" جس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب سے احادیث جمع کی ہیں۔ (معجم کبیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ صحابہ کی ترتیب پر ہے یا مشائخ کی۔ شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بستان المحدثین" ص۱۳۷ (اردو، ص۸۷) میں اور حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" ۲/۱۷۳۷، میں اسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب پر قرار دیا ہے، البتہ "عجالۂ نافعہ" میں اسے مشائخ کی ترتیب پر قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں میں نے ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں "معجم کبیر" کا قلمی نسخہ دیکھا اس کی ترتیب مشائخ کے اعتبار سے تھی۔ (مقدمہ لامع الدراری: ۱/۱۴۹)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "معجم کبیر" اسماء صحابہ پر حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں اور یہ بارہ جلدوں میں ہے۔ اس کے متعلق ابن دحیہ کا بیان ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسند ہے۔

دوسری "المعجم الاوسط" جس میں شیوخ کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔

تیسری "المعجم الصغیر" جس میں امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شیوخ میں سے ہر ایک کی ایک ایک حدیث ذکر کی ہے۔ پہلی دو کتابیں نایاب ہیں، البتہ ان کی احادیث علامہ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مجمع الزوائد" میں مل جاتی ہیں۔ تیسری شائع ہو چکی ہے۔ (عجالہ، ص۱۶۲)

[1] مقدمۃ لامع الدراری: ۱/۱۵۰ و ۱۵۱.

خاص مسئلہ وموضوع کے متعلق روایات کو جمع کیا گیا ہو۔[1]

ان اجزاء ورسائل کو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ دو قسمیں شمار کی ہیں،[2] شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ متقدمین جس چیز کو اجزاء سے تعبیر کرتے تھے متاخرین نے اس کو رسائل سے تعبیر کیا، چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ بکثرت اجزاء پر رسالہ کا اطلاق کرتے ہیں اور میرے نزدیک اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا "جُزْءِ رَفْعُ الْيَدَيْنِ" مشہور ہے، حالانکہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق ہے، لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کو رسالہ کہنا چاہیے۔[3]

ساتویں قسم "اربعینہ"

جس کو ہمارے یہاں "چہل حدیث" کہتے ہیں۔ اس کے متعلق ایک حدیث مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِيْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا مِّنْ أَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ زُمْرَةِ الْفُقَهَآءِ وَالْعُلَمَآءِ، وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِي الدَّرْدَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا، وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: قِيْلَ لَهُ اُدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ"

یعنی جو شخص میری امت کے لئے اس کے امر دین کے متعلق چالیس حدیثیں محفوظ کر لے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن فقہاء اور علماء کے ساتھ اٹھائیں گے اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفارسی

[1] لامع الدراری، ص ۱۵۲. [2] عجالۂ نافعہ، ص ۵۰.

[3] تقریر بخاری شریف، از حضرت شیخ: ۱/۴۷

اور گواہ بنوں گا اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کو کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے داخل ہوجا۔[1]

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے،[2] لیکن تمام علماء حدیث (محدثین) نے چہل حدیث لکھیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے لکھنے والے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔[3]

کوئی محدث ایسا نہیں جس نے چہل حدیث نہ لکھی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] شعب الایمان للبیهقی، ص ۲۷۰ و ۲۷۱، باب فی طلب العلم، فصل فی فضل العلم و شرف مقداره، رقم الحدیث ۱۷۲٦ و ۱۷۲۷، مشکوٰة: ۳٦/۱، کتاب العلم، الفصل الثالث.

[2] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"هٰذَا مَتْنٌ مَشْهُوْرٌ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهٗ إِسْنَادٌ صَحِيْحٌ" (بیہقی، مشکوٰۃ، حوالۂ بالا)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث تیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے لیکن اس کی کوئی سند علت قادحہ سے محفوظ نہیں۔ (تلخیص الحبیر، کتاب الوصایا، رقم ۱۳۷۵، ۹۳/۳)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

"وَاتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰى اَنَّهٗ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَاِنْ كَانَ كَثُرَتْ طُرُقُهٗ"

(الاربعین النوویه، ص۵)

صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں:

"اَمَّا الْحَدِيْثُ فَقَدْ وَرَدَ مِنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ بِرِوَايَاتٍ مُتَنَوِّعَةٍ وَاتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّهٗ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَاِنْ كَثُرَتْ طُرُقُهٗ" (۵۲/۱)

قَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ: "اَلْحَدِيْثُ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَمَعَاذٍ وَأَبِيْ أُمَامَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَاَبِيْ سَعِيْدٍ بِأَسَانِيْدَ فِيْهَا كُلُّهَا مَقَالٌ"

(فیض القدیر: ۱۵٤/٦)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر تصحیح کی علامت لگائی ہے، مگر علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں تضعیف کی ہے۔ (فیض القدیر: ۱۵٤/٦، تحت رقم الحدیث ۸٦٤)

[3] لامع الدراری، ص ۱۵٤/۱.

رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی ایک چہل حدیث ہے۔[1] اور نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی چہل حدیث تو مشہور ہے۔[2]

آٹھویں قسم "افراد وغرائب"

یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرق بھی کیا ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی جگہ پر روایت میں صرف ایک راوی رہ جائے، مثلاً دار قطنی کی "کتاب الافراد"۔[3]

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی چہل حدیث بہت مختصر ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث دو جملوں پر مشتمل ہے۔ (تقریر بخاری، ص ۴۷)

[2] اربعینات لکھنے والوں نے مختلف انداز اختیار کئے ہیں، جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی اربعین لکھی ہے جس میں بلحاظِ سند امام مسلم امام بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ سے فائق ہیں، اس طرح کہ کسی حدیث پر اگر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پانچ واسطے ہیں تو وہی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چار واسطوں سے منقول ہے۔

ایک "اربعین بلدانیه" لکھی گئی ہے جس میں چالیس حدیثیں چالیس مشائخ سے چالیس شہروں میں لی گئی ہیں۔

اور حافظ ابوالقاسم ابن عساکر الدمشقی رحمہ اللہ نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایسی اربعین لکھی ہے جس میں "أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا عَنْ أَرْبَعِيْنَ شَيْخًا فِيْ أَرْبَعِيْنَ بَلَدًا عَنْ أَرْبَعِيْنَ صَحَابِيًّا" کا ذکر ہے۔ (لامع الدراری: ۱۵۷/۱، کشف الظنون: ۵٤/۱)

[3] لامع الدراری: ۱۵۸/۱، کشف الظنون: ۱۳۹٤/۱.

فَائِدَة: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرائط میں یہ بات ہے کہ حدیث کی سند غریب نہ ہو بلکہ عزیز ہو، لیکن محققین محدثین نے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اس لئے کہ بخاری کی پہلی ہی روایت اس کی تغلیط کرتی ہے، کیونکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحییٰ بن سعید الانصاری تک تفرد واقع ہوا ہے اور جو بعض علماء اس کی کچھ متابعات ذکر کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ غریب کے لئے ضعیف ہونا ضروری نہیں، لہٰذا جب تم "ہدایہ" میں جابجا بلکہ ہر حدیث کے نیچے دیکھو "قلت غریب" تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ حدیث استدلال کے قابل نہیں اور اللہ کے فضل وکرم سے بخاری شریف کی پہلی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" اور آخری حدیث "كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ" دونوں غریب ہیں۔ (تقریر بخاری: ۴۸/۱)

نویں قسم "مستدرک"

یہ کسی کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جاتی ہے، مثلاً بخاری و مسلم کو سامنے رکھ کر ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مستدرک"[1] لکھی ہے۔ مستدرک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرط کے مطابق کوئی روایت موجود ہے اور اس کو اس کتاب کے مصنف نے ذکر نہ کیا ہو خواہ عمداً یا سہواً، جیسے "مشکوٰۃ شریف۔" یہ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مصابیح" پر تخریج ہے اور فصل ثالث اس پر استدراک ہے۔[2]

دسویں قسم "مستخرج"

یعنی کسی کتاب کی احادیث کو اپنی سند سے بیان کرنا بشرطیکہ مصنف اصل حائل نہ ہو،[3] اور فائدہ اس کا تقویت ہے، کیونکہ جو حدیث کسی سند کے ساتھ اصل کتاب

---

[1] حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْمُسْتَدْرَكُ عَلَى الصَّحِيْحَيْنِ" سب سے زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اس میں انہوں نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں، لیکن ان کے خیال میں بخاری اور مسلم کی شرط پر اترتی ہیں، لیکن امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ تصحیح احادیث کے معاملہ میں بہت متساہل ہیں، چنانچہ انہوں نے بہت سی حسن، ضعیف، منکر بلکہ موضوع احادیث کو بھی "صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" قرار دے کر مستدرک میں داخل کر دیا ہے، اس لئے حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کر کے امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی غلطیوں پر متنبہ کیا ہے، یہ تلخیص حاکم کی مستدرک کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، جب تک حدیث کے بارے میں وہ صحت کی تصدیق نہ کر دے اس وقت تک محض حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

[2] تقریر بخاری: ۱/۴۷۔

[3] اس طور پر کہ مصنفِ سابق کے شیخ یا استاذ یا اس سے اوپر کے کسی استاذ سے اپنی سند ملا دے۔ مستخرج میں کتابِ سابق کی ترتیب اور اس کی سند اور متن کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہتی ہے کہ سند اقرب سے ملائی جائے، یعنی سب سے پہلی جگہ جہاں دونوں کی سندیں ملتی ہوں وہیں ملا دے، کیونکہ اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے ساتھ ملانا استخراج نہیں کہلاتا الا لعذر أو زيادة مهمة۔ واضح رہے کہ استخراج میں متن کے پورے الفاظ کے ساتھ موافقت ضروری نہیں ہے، کیونکہ

میں ہے تو استخراج کرنے والا اپنی مستخرج میں وہ حدیث دوسری سند سے بیان کرے گا، مثلاً "مستخرج ابو عوانہ" یہ مسلم پر ہے۔[1]

گیارھویں قسم "علل"

یہ نوع علوم حدیث کی انواع میں سب سے زیادہ غامض اور مشکل ہے۔ اس میں اس کی اسانید وطرق کو جمع کر کے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں حدیث میں یہ علت ہے۔ اس فن کے لئے فہم ثاقب اور وسیع حافظہ اور رواۃ حدیث کی کامل معرفت اور اسانید ومتون کا پورا ملکہ ضروری ہے۔ اسی لئے اس فن پر بڑے بڑے حضرات ہی نے قلم اٹھایا ہے،[2] مثلاً: کتاب العلل علی ابن المدینی، کتاب العلل ابن ابی حاتم، احمد ابن حنبل، بخاری، مسلم، ابوزرعہ رازی، ترمذی اور دار قطنی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔[3]

ان سب میں جامع کتاب دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔[4] امام ترمذی رحمہ اللہ

روایت بالمعنی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ میں تفاوت ہو جاتا ہے، جیسے "لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ" کی جگہ "لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ اِلَّا بِطُهُوْرٍ" آ جاتا ہے۔

[1] مستخرجات بکثرت ہیں اور مختلف کتابوں پر لکھی گئی ہیں، جیسے "مستخرج علی سنن ابی داؤد" محمد ابن عبد الملک رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور "مستخرج علی جامع الترمذی" ابو علی طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی، اسی طرح "مستخرج علی صحیح مسلم" ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔

نوٹ: "مستخرج ابو عوانہ" کو "صحیح ابو عوانہ" بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ حافظ ابو عوانہ نے "صحیح مسلم" کے طرق کے علاوہ دوسرے طرق اور اسانید کا بھی ذکر کیا ہے اور متن میں کچھ احادیث کا اضافہ بھی فرمایا اس بناء پر اسے مستقل کتاب کی حیثیت دے کر "صحیح ابو عوانہ" کہا جاتا ہے۔

[2] نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، ص ۷۵.

[3] مقدمة لامع الدراري: ۱/۱۷۱۔ نیز دیکھیے! تدريب الراوي: ۱/۲۵۸. كشف الظنون، ۲/۱۱۵۹. مقدمه فتح الباري، ص ٤٩٢.

[4] مقدمة لامع الدراري: ۱/۱۷۱ و ۱۷۲.

تعالیٰ کی "کتاب العلل" دو ہیں: ایک چھوٹی دوسری بڑی۔ اول الذکر تو "جامع ترمذی" کے ساتھ منسلک ہے اور ثانی الذکر مستقل ہے۔

بارہویں قسم "اطراف"

اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کا ایک ٹکڑا (جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو) ذکر کرکے اس کی وہ تمام اسانید جو کتابوں میں مذکور ہیں جمع کردی جائیں، مثلاً انہوں نے عنوان باندھا "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" اب یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے ان سب کو جمع کردیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث تلاش کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ یہ حدیث کہاں کہاں ہے اور غلطی بھی جلدی معلوم ہوجاتی ہے۔

علل اور اطراف میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ اطراف میں تو حدیث کی ساری اسانید کو یکجا کردیا جاتا ہے خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اور علل میں صرف اسانید ضعیفہ کو ایک جگہ جمع کرکے ان کے نقائص پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ اطراف میں بھی علماء نے بے شمار تصانیف کی ہیں، مثلاً ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْأَشْرَافُ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ" حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ"، اسی طرح علامہ سیوطی، سراج الدین عمر بن علی الملقن، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔[1]

[1] ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر سب سے پہلے دو جلدوں میں "اَلْأَشْرَافُ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ" کے نام سے سنن اربعہ کی اطراف لکھی۔ اس کتاب کو انہوں نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد حافظ عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اطراف الکتب الستة" تحریر فرمائی۔ حافظ ابو مسعود ابراہیم بن محمد الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیحین پر اطراف لکھی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول کتاب حافظ مزی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۲ھ کی "تُحْفَةُ الْأَشْرَافِ فِيْ مَعْرِفَةِ الْأَطْرَافِ" ہے جس میں صحاح ستہ کے اطراف کو لکھا گیا ہے۔

تیرہویں قسم "تراجم"

یعنی کسی خاص سند کو لے کر اس سند سے جتنی روایتیں مروی ہیں چاہے صحیح ہو یا سقیم سب ذکر کردی جائیں، مثلاً "مالك عن نافع عن ابن عمر" یا "هشام عن ابيه عن عائشة." اس فن میں حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصنیف فرمائی ہے۔[1]

چودہویں قسم "تعلیقہ"

یہ قسم متقدمین کے یہاں بہت کم پائی جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی خاص موضوع پر روایات کو جمع کردیا جائے اور سند کو چھوڑ کر متن پر اکتفا کیا جائے۔ متاخرین کی اکثر تصانیف اسی طرح کی ہیں، مثلاً علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مصابیح" علامہ خطیب تبریزی کی "مشکوٰۃ"، ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مجمع الزوائد" علامہ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جمع الفوائد" علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جمع الجوامع" وغیرہ۔

پندرہویں قسم "تخاریج"

اس کا اطلاق ان کتابوں پر ہوتا ہے جس میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اصل کتاب میں بلا سند مذکور ہوں، جیسے "احیاء العلوم للغزالی"، کی تخریج علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ "هدایه" کی تخریج علامہ

اس نوع کے تحت "المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث النبوی" اور اس کی تلخیص "مفتاح کنوز السنة" بھی آتی ہیں۔ (کشف الظنون، ص۱۰۳ و ۱۱۶. لامع: ۱/۱۷۱)

[1] اس نوع میں وہ کتابیں بھی داخل ہیں جو "من روی عن ابیه عن جده" کہلاتی ہیں۔

زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "نصب الرایہ" نامی کی ہے۔ اسی طرح "هدایه" کی تخریج علامہ ابن الترکمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے۔[1]

سولہویں قسم "زوائد"

یہ قسم مستدرک ہی کے قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کتاب کی روایات پر دوسری کتاب میں جو زائد روایات ہیں ان کو بیان کیا جائے، مثلاً حافظ مغلطائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "زوائد ابن حبان علی الصحیحین" "زوائد مسند احمد علی الستہ" "زوائد ابی یعلی علی الستہ" وغیرہ۔[2]

سترہویں قسم "ترغیب وترہیب"

کسی خاص امر کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدے یا وعیدیں بیان فرمائی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دینا، مثلاً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تَرْغِيْبُ الصَّلٰوةِ" اور حافظ زکی الدین منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلتَّرْغِيْبُ وَالتَّرْهِيْبُ".[3]

---

[1] "ہدایہ" میں ساری احادیث بلا حوالہ ہیں، ان احادیث کی سند اور حوالہ تلاش کرنے کی غرض سے جو کتابیں لکھی گئیں وہ ہدایہ کی تخریج کہلائیں گی، مثلاً "نصب الرایة" اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلدِّرَايَةُ فِيْ تَخْرِيْجِ أَحَادِيْثِ الْهِدَايَةِ."

نیز انہوں نے ہی "اَلتَّلْخِيْصُ الْحَبِيْرُ فِيْ تَخْرِيْجِ أَحَادِيْثِ الرَّافِعِيِّ الْكَبِيْرِ" کے نام سے ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس میں شافعی فقہ کے ایک مشہور متن "رافعی" کی احادیث کی تخریج کی ہے، ان کی یہ کتاب احادیث احکام کا جامع ترین ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ان ہی کی کتاب ہے "اَلْكَافِيُ الشَّافِ فِيْ تَخْرِيْجِ اَحَادِيْثِ الْكَشَّافِ."

[2] اور علامہ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مَوَارِدُ الظَّمْآنِ اِلٰى زَوَائِدِ ابْنِ حَبَّانِ"، جس میں صحیح ابن حبان کی صرف وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو صحیحین میں موجود نہیں ہیں۔

[3] مقدمہ لامع الدراری، ص ۱۸۳. کشف الظنون، ص ٤٠٠.

اٹھارہویں قسم "مسلسلات"

کسی سند کے رواۃ کسی ایک چیز (چاہے قولی، فعلی، حالی، مقامی) میں متفق ہوں تو وہ مسلسل کہلاتی ہے، مثلاً:

"سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُوْلُ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ حَدَّثَنِيْ ...... الخ"

یا:

"دَخَلْنَا عَلٰى فُلَانٍ فَأَطْعَمَنَا تَمْرًا وَمَآءً ...... الخ"

وغیرہ۔ اس فن پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کا نام ہے "اَلْفَضْلُ الْمُبِيْنُ فِي الْمُسَلْسَلِ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ الْأَمِيْنِ"۔[1]

انیسویں قسم "ثلاثیات"

وہ روایت جس میں محدث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہوں، مثلاً ثلاثیات امام بخاری، ثلاثیات امام دارمی وغیرہ۔[2]

---

[1] ابوبکر بن شاذان، ابونعیم اور مستغفری وغیرہ نے بھی مسلسلات لکھی ہیں۔

(الرسالة المستطرفة، ص ٦٩)

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مسلسلات لکھی ہیں۔

(لامع الدراری: ١٨٦/١، کشف الظنون: ١٦٧٧/٢)

[2] بخاری میں بائیس ثلاثی روایات ہیں۔ ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو شاگرد مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ اور ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وامام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین۔ اس طرح بائیس میں سے حنفی مشائخ سے بیس روایات لی گئیں ہیں۔ باقی دو روایتوں میں سے ایک خلاد بن یحییٰ کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، دوسری عصام بن خالد حمصی رحمہ اللہ سے لی گئی ہیں۔ ان کے متعلق یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ حنفی ہیں یا نہیں؟ یہ بائیس روایات سند کے اعتبار سے بائیس ہیں لیکن بلحاظ متن سترہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثلاثیات کو بڑی اہمیت دی جاتی ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثنائی، جیسا کہ "مَسَانِيْدِ اِمَامِ اَعْظَمَ" اور "كِتَابُ

الآثارِ" سے ظاہر ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ رویۃً تابعی بھی ہیں اس لئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انہوں نے زیارت کی ہے، بلکہ روایۃً بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے، اگر چہ اس میں اختلاف ہے، اس کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ثنائی اور ثلاثی روایت کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی جو شکایت کی بات ہے۔

بخاری کے علاوہ "ابن ماجه" میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ (ص ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۲۸، ۳۱۷) "ترمذی" میں ایک روایت ہے۔ (۵۲/۲، رقم ۲۲۶۰) مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں کوئی روایت ثلاثی نہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو "مرقاۃ" کے مقدمہ میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے "ترمذی" کی روایت کو ثنائی کہہ دیا جب کہ وہ ثلاثی ہے۔ کتاب الفتن کی روایت ہے:

"يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ"

(جامع ترمذي: ۵۲/۲، رقم، ۲۲٦۰)

لیکن جب ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ کی شرح کرتے ہوئے اس حدیث پر پہنچے تو انہوں نے "ترمذی" کی اس روایت کو ثلاثی لکھا ہے۔ (مرقاۃ: ۹۸/۱۰) اور یہی صحیح ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مقدمۂ مرقاۃ میں اس مقام پر ایک دوسرا سہو اور ہوا ہے، انہوں نے مسلم اور ابوداؤد کے بارے میں اشارہ کیا ہے کہ ان دونوں میں بھی ثلاثی روایات موجود ہیں، (مرقاۃ: ۲۳/۱) حالانکہ مسلم اور ابوداؤد میں کوئی ثلاثی روایت موجود نہیں، البتہ ابوداؤد میں ایک روایت رباعی فی حکم الثلاثی موجود ہے، (ابوداؤد: ۲۹۷/۲) یعنی مصنف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک چار واسطے ہیں، لیکن ان میں دو راوی ایک ہی طبقے کے ہیں یعنی تابعی ہیں، تو اتحاد طبقے کی وجہ سے حکماً ثلاثی کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کا نام "رباعي في حكم الثلاثي" ہے۔ مسلم میں کوئی روایت ثلاثی نہیں، البتہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری بعض کتابوں میں ثلاثی روایت موجود ہے۔

بخاری اور مسلم کی سب سے نازل سند وہ ہے جس میں مصنف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نو واسطے ہیں، ایسی سند کو تساعی کہا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی کی سند نازل عشاری ہے۔ (تدریب الراوي: ۱٦٦/۲. ترمذی محققه ابراهيم عطوه عوض: ۱٦۷/٥: نسائي: ۱٥٥/۱)

یعنی مصنف سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک دس واسطے ہیں۔ ابو داؤد کی سند نازل ثمانی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں صاحب عقود اللآلی کے بقول ۳۳۷ سندیں ثلاثی ہیں۔

(عقود اللآلي في الأسانيد العوالي ص ۱۲۷)

بیسویں قسم "امالی"

امالی یہ املاء کی جمع ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ درمیان میں بیٹھ جائے اور ان کے شاگردان کے اردگرد قلم دوات اور کاغذ لے کر بیٹھ جائیں۔ پھر شیخ تقریر و درس دے اور تلامذہ اس کو لکھ لیں، پھر وہ ایک کتاب بن جاتی اس کا نام "امالی" رکھ دیتے ہیں۔ پہلے یہی دستور تھا۔ اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "امالی" ہے۔[1]

اکیسویں قسم "مختصر"

کسی مؤلف کی تالیف کردہ کتاب کو لے کر مختصر کر دیا جائے، جیسے منذری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مختصر سنن ابی داؤد" اور قرطبی کی "مختصر صحیح مسلم" وغیرہ۔

بائیسویں قسم "شرح الآثار"

حدیث میں آنے والا کوئی لفظ کثیر الاستعمال ہے لیکن اس کے مدلول کی تعیین میں دقت ہے تو اس کے لئے اس نوع کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس میں بھی علماء نے کافی تصانیف چھوڑی ہیں، مثلاً "شرح معاني الآثار" للطحاوی، اسی طرح "مشكل الآثار" وغیرہ۔

تیئیسویں قسم "اسباب الحدیث"

اس میں حدیث کا شانِ ورود، اس کی جگہ اور زمانہ بتلایا جاتا ہے۔ اس فن میں

[1] جب طباعت کا رواج عام ہوگیا تو احادیث کی تدریس کے لئے املاء کی ضرورت باقی نہ رہی، لیکن احادیث کی تشریح اور اس کے متعلقات جو استاذ بطور تقریر بیان کرتا ہے اسے قلم بند کرنے کا دستور اب تک جاری ہے اور آج کل انہی تقاریر کو "امالی" کہتے ہیں۔ اس نوع کی بہت سے تقاریر شائع ہو چکی ہیں جیسے: فيض الباري، الكوكب الدري، لامع الدراري، درس ترمذي، تقرير بخاري، نفحات التنقيح، كشف الباري عما في صحيح البخاري وغیرہ۔

سب سے پہلے حامد جربانی نے اور پھر ابوحفص عکبری نے تصنیف کی ہے۔ ابن حمزہ حسینی کی کتاب "اَلْبَیَانُ وَالتَّعْرِیْفُ فِیْ أَسْبَابِ وُرُوْدِ الْحَدِیْثِ" بھی ہے جو مصر میں چھپ چکی ہے۔[1]

چوبیسویں قسم "ترتیب"

متقدمین کی اکثر تصانیف غیر مرتب تھیں، متاخرین نے اس پر سعی و کوشش کر کے ان کو مرتب کیا، مثلاً ابوالمحاسن حسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب "اَطْرَافُ الْمِزِّیْ عَلَی الْأَلْفَاظِ" اور حافظ مغلطائی کی ترتیب "اَلْمُبْهَمَاتُ عَلَی الْأَبْوَابِ" وغیرہ۔[2]

پچیسویں قسم "تالیف علی حروف المعجم فی الفاظ الحدیث"

یعنی حدیث کی ابتداء کس لفظ سے ہوئی، اگر حرف الف سے ہوئی ہے تو پہلے ان کو اور اگر حرف باء سے ہوئی ہے تو ان کو وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اور چوتھی قسم میں فرق یہ ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے تھی اور یہ متن کے لحاظ سے۔ اس نوع میں بیسیوں تصنیفات موجود ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "جامع صغیر" دیلمی کی "مسند فردوس" سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مقاصد حسنہ" وغیرہ۔

[1] حدیث میں اس کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے، یعنی اس میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے۔ مولانا تقی صاحب مدظلہ نے اس فن پر پہلی تصنیف امام ابوحفص عکبری کی بتلائی ہے، پھر حامد بن کرنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی۔ صاحب کشف الظنون کے بقول ہمارے دور میں اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام ہے "البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف" یہ علامہ ابراہیم بن محمد الشہیر بابن الحمزۃ الحسینی الدمشقی الحنفی کی تالیف ہے۔

[2] اور جیسے "تَرْتِیْبُ مُسْنَدِ اَحْمَدَ عَلَی الْحُرُوْفِ لِابْنِ کَثِیْرٍ" اور "تَرْتِیْبُ مُسْنَدِ اَحْمَدَ عَلَی الْحُرُوْفِ لِابْنِ الْمُحِبِّ" اسی طرح آخری دور میں علامہ ابن الساعاتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند احمد کو "الفتح الربانی" کے نام سے ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔

چھبیسویں قسم "موضوعات"

یہ نوع حدیث کی اہم انواع میں سے ہے، یعنی وہ کتابیں جو موضوع اور من گھڑت حدیثوں کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئیں ہیں۔[1] اس باب میں ابن جوزی

[1] شروع میں کتب موضوعہ اس انداز سے لکھی جاتی تھیں کہ ضعیف راویوں کا تذکرہ کیا جاتا تھا اور ان سے جو موضوع یا ضعیف احادیث مروی ہیں ان کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْکَامِلُ" امام عقیلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلضُّعَفَاءُ" اور امام جوزقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "الاباطیل" اسی انداز پر ہیں۔

بعد میں موضوعات کا طریقہ یہ ہوگیا کہ موضوع یا متہم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کرکے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے اور اس میں سنداً کیا نقص ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھایا۔ ان کی دو کتابیں ہیں، ایک "اَلْعِلَلُ الْمُتَنَاهِیَةُ فِی الْأَخْبَارِ الْوَاهِیَةِ" دوسری "اَلْمَوْضُوْعَاتُ الْکُبْرَیٰ" ان میں دوسری آج بھی دستیاب ہے، لیکن اہل علم کا اتفاق ہے کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں نہایت متشدد ہیں اور انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دے دیا ہے، اس لئے بعد کے محقق علماء نے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں "القول المسدّد فی الذّبّ عن مسند احمد" میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے۔ اس میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مسند احمد" کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اور ایک حدیث بخاری کی احمد شاکر والے نسخہ میں بھی ہے اور ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقاً روایت کی ہیں اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موضوع قرار دے دیا ہے۔

پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات پر ایک مفصل تنقید لکھی جس کا نام "النکت البدیعات علی الموضوعات" رکھا بعد میں اس کی تلخیص کی اور اس میں کچھ اضافے کئے جو "اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ" کے نام سے معروف ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کے معاملہ میں قدرے متساہل ہیں، اس لئے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد حافظ صنعانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موضوعات بھی بہت مقبول

امام ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

اور بھی بیشمار تصانیف اس موضوع پر ہیں، مثلاً قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "الفوائد المجموعة فی بیان الاحادیث الموضوعة" ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "موضوعات کبیر" علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تذکرة الموضوعات" اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اللآلی المصنوعة" وغیرہ۔

ستائیسویں قسم "الکتب المؤلفة فی الادعیة الماثورة"

یعنی وہ کتابیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہو۔ اس میں زیادہ مشہور حافظ احمد ابن السنی رحمہ اللہ کی "عمل الیوم واللیلة" اور شیخ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ کی "الحصن والحصین" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "اَلْحِزْبُ الْأَعْظَمُ وَالْوِرْدُ الْأَفْخَمُ" ہے۔

اٹھائیسویں قسم "ناسخ ومنسوخ"

یعنی وہ کتاب جس میں یہ بتلایا گیا ہو کہ کونسی حدیث منسوخ ہے اور کونسی ناسخ۔

ہوئیں۔ علامہ ابن الجوزی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی "الموضوعات الکبریٰ" نہایت مقبول ومعروف ہے۔ آخری دور میں قاضی شوکانی رحمہ اللہ کی "الفوائد المجموعه فی الاحادیث الموضوعة" اور علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تذکرة الموضوعات" مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة" میں ابن جوزی، جوزقانی، عقیلی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تمام کتابوں کو جمع کردیا ہے اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے۔ اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے اور محقق ترین بھی، جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کردیتی ہے۔ اس کتاب میں علامہ ابن عراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن جوزی، جوزقانی اور سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جو فی الواقع موضوع ہیں۔

ایک فقیہ کے لئے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازمی کی کتاب "کِتَابُ الإِعْتِبَارِ فِي النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ مِنَ الْآثَارِ" مشہور ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے۔

انتیسویں قسم[1] "متشابہ الحدیث"

یعنی وہ کتاب جس میں متشابہاتِ احادیث کے قبیل کی چیزیں ہوں ان کو جمع

---

[1] حضرت استاذ مدظلہم نے یہ انتیس قسمیں بیان فرمائی ہیں، مزید چند اقسام ان میں شامل کی جاتی ہیں:

۳۰ ...... الوحدان: یعنی ان راویوں کی احادیث کا مجموعہ جن سے صرف ایک ایک حدیث مروی ہے۔

۳۱ ...... شروح الحدیث: یعنی وہ کتابیں جن میں کسی حدیث کی کتاب کی شرح کی گئی ہو، مثلاً "فتح الباری" "عمدة القاری" وغیرہ۔

۳۲ ...... کتب المصاحف: ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں قرآن کریم کی جمع وترتیب، اختلافِ قرأت اور اختلاف نسخ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے، مثلاً ابن عامر کی "کتاب المصاحف" اس کے علاوہ بہت سے لوگوں نے "کتاب المصاحف" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں "کتاب المصاحف لابن اشته" "کتاب المصاحف ابن ابی داؤد" "کتاب المصاحف لابن الانباری" زیادہ مشہور ہیں۔ لیکن آج ان میں صرف ایک کتاب موجود ہے "کتاب المصاحف لابن ابی داؤد" جو امام ابو داؤد صاحب السنن رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کی تالیف ہے اور کچھ عرصہ پہلے اسے ایک انگریز مستشرق نے شائع کیا ہے۔

۳۳ ...... الفہارس: وہ کتب حدیث جن میں ایک یا زائد کتابوں کی احادیث کی فہرست جمع کردی گئی ہو، تاکہ حدیث کا نکالنا آسان ہو، مثلاً علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک شاگرد نے "فهارس البخاری" کے نام سے ایک بڑی مفید کتاب لکھی ہے، جس کی ذریعہ بخاری سے حدیث نکالنا بہت آسان ہوگیا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک جامع اور مفید کام اللہ تعالیٰ نے مستشرقین کی ایک جماعت سے لیا، جس نے "ڈاکٹر وینسنک" کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے، جس کا نام ہے "المعجم المفهرس لا لفاظ الحدیث النبوی" جس میں انہوں نے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی اور مسند احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ کون سی حدیث میں آیا ہے اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے، البتہ اس کتاب میں یہ لوگ احادیث کے استیعاب پر قادر نہیں

ہوسکے بلکہ بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں، پھر اسی کتاب کی ایک تلخیص "وینسنک" ہی نے "**مفتاح کنوز السنة**" کے نام سے شائع کی ہے جو مختصر ہونے کی وجہ سے انتہائی مفید ہے اور ہر طالب علم کے لئے ناگزیر ہے۔

۳۴ ...... **کتب الجمع**: ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ایک سے زائد کتب حدیث کی روایتوں کو بحذف تکرار جمع کردیا جائے۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب امام حمیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**الجمع بین الصحیحین**" ہے۔ ان کے بعد حافظ رزین بن معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**تجرید الصحاح الستة**" لکھی جن میں صحاح ستہ کی تمام احادیث کو جمع کیا گیا، البتہ ان کی اصطلاح میں "**ابن ماجه**" کی بجائے "**مؤطا امام مالك**" صحاح ستہ میں شامل تھی، اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب میں "**ابن ماجه**" کے بجائے "**مؤطا امام مالك**" کو شامل کیا۔ ان کے بعد حافظ ابن اثیر جزری نے "**جامع الاصول**" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا گیا اور حافظ رزین بن معاویہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو احادیث چھوٹ گئی تھیں ان کو بھی شامل کرلیا، لیکن ان کی اصطلاح میں بھی "مؤطا امام مالک" صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ "**ابن ماجه**"۔ ان کے بعد علامہ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور انہوں نے "**مجمع الزوائد و منبع الفوائد**" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں مسند احمد، مسند بزار، مسند ابی یعلی اور امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**معاجم ثلاثه**" کی ان زائد احادیث کو یک جا کردیا جو صحاح ستہ میں نہیں آئیں، لیکن علامہ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں "**ابن ماجه**" صحاح ستہ میں شامل تھی نہ کہ "**مؤطا امام مالك**"، اس لئے انہوں نے "**مجمع الزوائد**" میں "**ابن ماجه**" کی احادیث نہیں لیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ماجہ کی احادیث نہ "**جامع الاصول**" میں جمع ہوسکیں نہ "**تجرید الصحاح السته**" میں اور نہ ہی "**مجمع الزوائد**" میں۔

ان کے بعد علامہ محمد بن سلیمان نے "**جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد**" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں ایک طرف تو "**جامع الاصول**" اور "**مجمع الزوائد**" کی تمام احادیث کو بحذف تکرار جمع کردیا، نیز "**ابن ماجه**" جو ان دونوں سے چھوٹ گئی تھی اس کی روایات بھی لے لیں، بلکہ اس کے علاوہ "**سنن دارمی**" کی روایات بھی جمع کردیں، اس طرح یہ کتاب چودہ (۱۴) کتب احادیث کا مجموعہ بن گئی، بلا شبہ "**جمع الفوائد**" اپنے اختصار کے باوجود احادیث کا بڑا جامع مجموعہ ہے، لیکن احقر کا تجربہ یہ ہے کہ اس میں بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں اور اگر کوئی حدیث اس میں نہ ملے تو یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ یہ چودہ کتابوں میں بھی نہیں ہے۔

اب تک "**کتب الجمع**" کے تحت ہم نے جن کتابوں کو ذکر کیا یہ ساری کتابیں ابواب کی

ترتیب پر لکھی گئی ہیں، بعض حضرات نے احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے بھی جمع کیا ہے۔ اس نوع کی سب سے پہلی کتاب "**فردوس الدیلمی**" ہے، لیکن یہ کتاب نایاب ہے۔ اس کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**جمع الجوامع**" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں پورے ذخیرۂ احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں انہوں نے قولی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کیا ہے، اور فعلی احادیث کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب سے، پھر علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کتاب کی تلخیص کی "**الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر صلی الله علیه وسلم**" اس کتاب میں تمام موجود کتب حدیث میں سے قولی احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے جمع کردیا گیا ہے، "**جمع الجوامع**" تو آج کل نایاب ہوچکی ہے، لیکن "**الجامع الصغیر**" مروج ہے اور اس میں ہر حدیث کے ساتھ اس کے حوالہ کے علاوہ اس کی اسنادی حیثیت بھی اس طرح متعین کی گئی ہے کہ صحیح کے لئے "صح" ضعیف کے لئے حرف "ض" اور حسن کے لئے حرف "ح" لکھدیا گیا ہے، لیکن مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**الاجوبة الفاضلة**" میں (ص ۱۲۷ پر) لکھا ہے کہ یہ علامتیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لگائیں، بلکہ ان کے بعد کسی عالم نے لگائی ہیں۔

"**الجامع الصغیر**" کی متعدد شروح بھی لکھی گئی ہیں، جن میں علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**فیض القدیر**" اور علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**السراج المنیر**" مشہور اور متداول ہیں۔ ان دونوں میں سے علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ تصحیح احادیث کے معاملہ میں زیادہ محتاط ہیں، ان کے برخلاف علامہ عزیزی رحمہ اللہ تعالیٰ قدرے متساہل ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل قدر اور جامع کام علامہ علی المتقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔ ان کی کتاب "**کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال**" ہے جسے بلا شبہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع ترین کتاب کہنا چاہیئے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**جمع الجوامع**" پر مبنی کیا ہے، یعنی پہلے ہر باب کی وہ قولی احادیث جمع کیں جو "**جمع الجوامع**" میں موجود تھیں، اس کے بعد وہ قولی احادیث جمع کیں جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھوٹ گئی تھیں اور ان کا نام "**الاکمال فی سنن الاقوال**" رکھا، پھر "**جمع الجوامع**" کی فعلی احادیث کو جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ترتیب پر تھیں ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا اور اس مجموعہ کا نام "**کنز العمال**" ہے۔ اس میں ہر حدیث کے ساتھ اس کے مأخذ کا حوالہ رموز میں دیا ہے، جیسے بخاری کے لئے "خ" اور مستدرک کے لئے "ک" وغیرہ۔ علامہ علی المتقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں تقریباً تیس (۳۰) کتب حدیث کو جمع کردیا ہے، اس طرح یہ کتاب کسی حدیث کی تحقیق کے لئے بے نظیر رہنما کی حیثیت

کردیا گیا ہو۔ حافظ شمس الدین محمد بن اللبان نے اس موضوع پر تصنیف فرمائی ہے۔

طبقات کتب حدیث

طبقات کتب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس میں وہ کتابیں مذکور ہیں جن کے ________ رکھتی ہے۔

۳۵ ...... **کتاب الاحکام**: ان کتابوں میں مسائل فقہیہ کے متعلق روایات ذکر کی جاتی ہیں، جیسے صحاح ستہ اور حافظ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "**الاحکام الصغری**" اور "**الاحکام الکبری**" اور عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**عمدة الاحکام**" (سیر اعلام النبلاء: ۱۹۹/۲۱. کشف الظنون، ۱۱٦٤/۲)

۳٦ ...... **کتاب التاریخ**: یہ وہ قسم ہے جس میں تاریخی مواد سے متعلق روایات کو درج کیا جاتا ہے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں ابتدائے خلق سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تک کے واقعات ذکر کئے جاتے ہیں، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "**بدء المخلوقات**" اور دوسری قسم وہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تاریخی مواد پیش کیا جاتا ہے، جیسے "**سیرت ابن هشام**" اور "**مغازی محمد بن اسحق**"۔ (عجالۂ نافعہ، ص۱۴، وفوائد جامعہ، ص۱۴۷)

۳۷ ...... **کتاب الزہد**: ایسے مضامین کی روایات جن سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور فکر آخرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اس باب میں عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

۳۸ ...... **کتاب الآداب**: کھانے پینے، سونے جاگنے، رفتار وگفتار کے متعلق روایتیں ذکر کی جائیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**الادب المفرد**" اس سلسلے کی مشہور کتاب ہے۔

۳۹ ...... **کتاب الفتن**: فتنوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ذکر کی جائیں، جیسے نعیم بن حماد رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**کتاب الفتن والملاح**." (کشف الظنون: ۱٤٤٥/۲)

۴۰ ...... **کتاب المناقب**: کسی قوم یا جماعت یا فرد سے متعلق فضائل کی روایات جمع کی جائیں، جیسے امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "**خصائص علی**" (کشف الظنون: ۷۰٦/۱)

اور محب الدین الطبری متوفی ۶۹۴ھ کی "**الریاض النضرة فی فضائل العشرة**" (کشف الظنون: ۹۳۷/۱)

۴۱ ...... **کتاب العقائد**: جس میں عقائد کی احادیث ذکر کی جائیں، جیسے بیہقی رحمہ اللہ کی "**کتاب الاسماء والصفات**" اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی "**کتاب التوحید**" اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی

متعلق اجنبی کے واسطے یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے ہم کن کتابوں کی احادیث پر اعتماد کریں اور کن پر نہیں، اس لئے اب اس کی بڑی ضرورت ہے کہ کتب حدیث کے طبقات بھی ذکر کردیئے جائیں۔

اس لئے غور سے سنو کہ! حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے "عجالۂ نافعہ" میں کتب حدیث کی چار قسمیں اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اتباع میں بیان فرمائی ہیں، مگر خود شاہ عبد العزیز نے اپنی دوسری کتاب "**مایجب حفظه للناظر**"[1] میں پانچ قسمیں بیان کردیں۔

یہ بظاہر ایک تعارض ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی تعارض نہیں کیونکہ "عجالۂ نافعہ" میں جو تقسیم ہے وہ شہرت وصحت ہر دو اعتبار سے ہے اور "**مایجب حفظه للناظر**" میں جو تفصیل ہے وہ صرف صحت کے اعتبار سے ہے، کیونکہ بہت سی کتب ایسی ہیں جو صحیح تو خوب ہیں مگر درجۂ شہرت کو نہیں پہنچیں، جیسے "صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، منتقی الجارود" وغیرہ اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو زیادہ صحیح تو نہیں ہیں لیکن شہرت ان کی خوب ہے جیسے "ابن ماجہ" وغیرہ۔ ہم اس جگہ "عجالۂ نافعہ" کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ حدیث کی کتابیں صحت، شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کئی طبقوں پر مشتمل ہیں۔ صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مؤلف کتاب نے اس بات کی پابندی کی ہو کہ وہ صحیح یا حسن حدیثوں کے سوا اور کوئی حدیث اس میں درج نہیں کرے گا اور اگر اس میں کوئی ایسی حدیث درج کرتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ اس کے ضعف، غرابت، علت اور شذوذ کو بھی بتا دیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ ضعیف،

"**خلق افعال العباد**" (مقدمه لامع دراری: ۱٤٣/۱، کشف الظنون: ۷۲۲/۱)

[1] حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک شاگرد کو ایک مکتوب لکھا جو کہ ایک مختصر رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

غریب اور معلول حدیث کو اس کی خرابی کی وضاحت کے ساتھ کتاب میں درج کرنا کسی قسم کی قباحت کا موجب نہیں۔

شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کی جماعت یکے بعد دیگرے (ہر دور میں) اس کتاب کے ساتھ بطریق روایت، ضبطِ مشکل اور تخریجِ احادیث مشغول رہی ہو حتی کہ اس کی کوئی چیز بیان ہوئے بغیر نہ رہ گئی ہو۔

قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدینِ حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں اور اس پر اعتراض نہ کریں اور اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مؤلف کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں اور فقہاء بغیر اختلاف اور بلا نکیر اس سے استدلال کریں۔

پہلا طبقہ

اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں

1. ...... مؤطا امام مالک۔
2. ...... صحیح بخاری۔
3. ...... مسلم شریف۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مَشَارِقُ الْأَنْوَار" میں انہی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔ یہ "مَشَارِقُ الْأَنْوَار"، صغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "مَشَارِقُ الْأَنْوَار" کے علاوہ ہے جس میں "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی حدیثوں کو ان کی سند اور قصے حذف کر کے جمع کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثوں کی شرح اور ضبط اسماء کے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "مَشَارِقُ الْأَنْوَار" کافی و شافی ہے۔

ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ "مؤطا امام مالک" گویا صحیحین کی اصل اور اس کا ماخذ ہے اور اس کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ امام مالک رحمہ

اللہ تعالیٰ کے زمانہ ہی میں آپ سے ایک ہزار علماء نے "مؤطا" کی روایت کی ہے، جیسے امام شافعی، امام محمد، یحییٰ ابن یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی، یحییٰ بن بکیر، ابومصعب اور قعنبی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہ۔

نیز اس کتاب کی عدالت و ضبط رجال پر سب کا اجماع ہے اور یہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، عراق، شام، یمن، مصر اور دیارِ مغرب میں مشہور ہے اور (بکثرت) شہروں کے فقیہوں کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی علماء نے "مؤطا" کی حدیثوں کی تخریج، اس کے متابعات اور شواہد کے جمع کرنے میں بڑی کوششیں کی ہیں اور اس کے الفاظ غریبہ کی شرح ضبط مشکلات اور ان کی وضاحت فقیہانہ مسائل کا بیان، حدیث کی سندیں اور طریق روایت کے بیان میں اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

"صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" بسط و تفصیل اور حدیثوں کی تعداد کے اعتبار سے ہر چند "مؤطا" سے دس گنی زیادہ ہوں گی، لیکن حدیثوں کی روایت کا طریقہ، راویوں کے جانچ پڑتال کا ڈھنگ، اعتبار اور استنباط کا اسلوب "مؤطا" ہی سے سیکھا ہے، مگر اس کے باوجود یہ دونوں کتابیں تمام فرق اسلامیہ اور علماء اسلام کی مخدوم ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی مستخرجات لکھی ہیں، جیسے اسماعیلی اور ابو عوانہ اور بعض محدثین نے ان کے الفاظِ غریبہ کی شرح لکھی ہے، مشکل الفاظ اور اسماء کو ضبط کیا ہے، مشکل مقامات کو حل کیا ہے، مسائل فقہیہ کو بیان کیا ہے، اور راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ غرض یہ کہ دونوں کتابیں شہرت اور قبولیت کے درجہ کو پہنچ گئیں ہیں۔ صاحب جامع الاصول نے فربری سے نقل کیا ہے کہ نوے ہزار علماء نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے "بخاری" کا سماع کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح حدیثیں ہیں، اگرچہ ان میں بعض حدیثیں بعض کی بنسبت زیادہ صحیح ہیں اور گہری نظر سے دیکھا

جائے تو ''مؤطا'' کی اکثر مرفوع حدیثیں ''صحیح بخاری'' میں موجود ہیں، اس اعتبار سے گویا ''صحیح بخاری'' ''مؤطا'' کی جامع ہے، البتہ آثار صحابہ وتابعین ''مؤطا'' میں زیادہ ہیں، لہٰذا ان تینوں کتابوں کو طبقۂ اولیٰ میں رکھنا چاہیئے۔

دوسرا طبقہ

اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں جن کی حدیثیں ان تینوں صفتوں (صحت، شہرت اور قبولیت) میں ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہوں، لیکن مذکورہ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی حدیثیں ہیں کہ ان کے مؤلفین کا وثوق عدالت، حفظ وضبط اور فن حدیث میں تبحر مشہور ہے، اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہل اور تسامح کو ہرگز روا نہیں رکھا ہے اور جہاں تک ہوسکا حدیث کی حالت اور علت بیان کردی ہے۔ اسی لئے علماء اسلام میں انہیں شہرت حاصل ہے اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

ابن الاثیر نے ''جامع الاصول'' میں انہیں چھ کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے اور الفاظِ غریبہ کی شرح کی ہے، مشکلات کو ضبط کیا ہے، راویانِ حدیث کے ناموں اور دیگر متعلقات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے گویا ''جامع الاصول'' ان چھ کتابوں کی شرح ہے، جیسے ''مشارق الانوار'' ان تینوں کتابوں (مؤطا، اور صحیحین) کی شرح ہے۔

صاحب جامع الاصول نے ''سنن ابن ماجه'' کو صحاح میں شمار نہیں کیا ہے اور ''مؤطا'' کو صحاح میں چھٹی کتاب قرار دیا ہے اور یہی درست ہے، لیکن حضرت والد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فقیر کے نزدیک ''مسند احمد'' دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور وہی صحیح

حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل ہے اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے اور کس کی اصل نہیں ہے، اگرچہ ''مسند احمد'' میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں، جن کا حال بیان نہیں کیا ہے تاہم جو ضعیف حدیثیں ''مسند'' میں پائی جاتی ہیں وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، علماء حدیث وفقہ نے ان کو اپنا پیشوا بنایا ہے اور درحقیقت ''مسند'' فن حدیث میں ایک رکن اعظم ہے۔ اسی طرح ''سنن ابن ماجه'' گو اس کی بعض حدیثیں نہایت ضعیف ہیں مگر اس کو بھی اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنہیں علمائے متقدمین نے جو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو ان کے معاصر تھے یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے اور ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ نہیں سکی ہیں، اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے اور ضبط وعدالت کی صفات سے متصف تھے۔ ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کا اتہام ہے اور ان کتابوں کی حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف ہیں۔ بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں اور اکثر وہ حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں، بلکہ اجماع اور امت کا عمل ان کے خلاف ہے۔ ان کتابوں میں بھی باہم فرق مراتب ہے، بعض کتابیں بعض سے قوی تر ہیں۔ ان کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:

مُسْنَدِ شَافِعِیْ، سُنَنِ ابْنِ مَاجَه، مُسْنَدِ دَارِمِیْ، مُسْنَدِ اَبِیْ یَعْلٰی اَلْمُوْصِلِیْ، مُصَنَّفِ عَبْدِالرَّزَّاق، مُصَنَّفِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَه، مُسْنَدِ عَبْدِ بْنِ حُمَیْدٍ، مُسْنَدِ اَبِیْ دَاؤدِ طَیَالِسِیْ، سُنَنِ دَارِقُطْنِیْ، صَحِیْحِ ابْنُ حِبَّان، مُسْتَدْرَكِ حَاكِمْ، كُتُبِ بَیْهِقِیْ، كُتُبِ طَحَاوِیْ، تَصَانِیْفِ طِبْرَانِیْ.

چوتھا طبقہ

اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرون اولیٰ (دور صحابہ وتابعین) میں نام ونشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے ان کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی ہے اور انہیں اس کی کوئی اصل ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے، یا اس کی کوئی اصل تو پائی مگر ان میں علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں پر سے اعتماد اٹھ گیا اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے لئے انہیں دلیل بنایا جائے، ایسی ہی باتوں کے لئے بعض مشائخ نے کیا خوب کہا ہے ؎

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ أَعْظَمُ

تَرجَمَہ: "پس اگر تو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے، اور اگر جانتا ہے تو بہت بڑی مصیبت ہے۔"

اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے اور ان کتابوں میں حدیثوں کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکا کھا گئے اور ان کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے اور جزم ویقین کے مواقع پر طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر اس قسم کی حدیثوں کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنایا ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں

بڑی تصنیف ہوئی ہیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

كتاب الضعفاء از ابن حبان، تصانیف حاکم، كتاب الضعفاء از عقیلی، كتاب الكامل از ابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی، (بلکہ ان کی تمام تصانیف) تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ، اور تصانیف ابن النجار۔

مناقب ومثالب کے بیان میں اکثر حدیثیں گھڑی گئی ہیں اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر اور اسباب نزول کے بیان میں تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات اور انبیاء سابقین کے قصوں میں، شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزیں، اور حیوانات کے تذکرہ میں اکثر موضوع حدیثیں ہیں۔ طب، ٹوٹکے، جھاڑ پھونک، عزیمتوں اور دعوات میں اور نوافل کے اجر وثواب میں بھی اس قسم کا واقعہ پیش آتا ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "كتاب الموضوعات" میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح وقدح کی ہے اور ان کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں اور "كتاب تنزيه الشريعه" ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔

اکثر شاذ ونادر مسائل جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا، یا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں، یا انہی جیسے شاذ ونادر مسائل انہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل ونوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں، لہٰذا ان کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے۔

اس پر بھی اگر کسی کے دل میں ان کتابوں کی تحقیق کی خواہش ہو تو ان حدیثوں کے راویوں کا پتہ چلانے کے لئے علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "ميزان الاعتدال" اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی "لسان الميزان" اس کے کام آ سکتی ہے۔

اور الفاظ غریبہ کی شرح، مادّوں کی تحقیق اور حدیثوں کی توجیہات کے لئے شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "مجمع البحار" سب سے بے پرواہ کردیتی ہے"۔ [1]

شروط الائمۃ الستۃ

شروط الائمہ: حضرات ائمۂ حدیث نے اپنی کتابوں کے بارے میں کسی قسم کی شرائط کی وضاحت نہیں کی، البتہ بعد والوں نے اس میں غور وفکر کرکے شرائط کی تعیین کی ہے۔ اس موضوع پر علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ کافی وشافی ہے۔ [2]

ملخصًا یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ دو چیزیں بنیادی طور پر ملحوظ ہوتی ہیں:

١ ...... راوی کی ذات۔

٢ ...... اپنے شیخ سے تعلق۔ ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کل پانچ صورتیں نکلتی ہیں:

١ ...... حفظ واتقان میں غایت درجہ (یعنی انسان کے لئے جس درجہ کا حفظ سنی ہوئی احادیث کا اور اس کو محفوظ رکھنا اور اس کو صاف شفاف لکھنا ہوسکے، اس کا اہتمام کرنا) مع طول الملازمۃ للشیخ۔

٢ ...... حفظ واتقان میں غایت درجہ، البتہ صحبت شیخ میں کمی ہوئی ہو۔

٣ ...... ضبط واتقان میں کمی آئے، لیکن شیخ کی صحبت میسر رہی۔

٤ ...... ضبط واتقان اور صحبت شیخ دونوں میں کمی آئے۔

٥ ...... الضعفاء والمجاہیل ضعف تو وہ جس کو ساری دنیا جانتی ہو، لیکن احوال کمزور

[1] فوائد جامعہ بر عجالۂ نافعہ، از ص ۳۴ تا ص ۳۸۔

[2] علامہ ابوبکر حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "شروط الائمۃ الخمسۃ" قاہرہ سے ۱۳۵۷ھ میں علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔ انتہائی مفید اور مطالعہ کے لئے ناگزیر ہے۔ علامہ حازمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ص ۴۴ پر ان شرائط کو بیان کیا ہے۔

ہوں اور مجہول جس کے احوال ہی معلوم نہیں۔

١ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عامۃً اصول میں (یعنی جو روایت حَدَّثَنَا کہہ کر لاتے ہیں) اول درجہ کی روایت لاتے ہیں اور متابعۃ میں (یعنی تَابَعَهُ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ) دوسرے درجہ والے کی روایت بھی لاتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں تیسرے درجہ کے راویوں تک کی روایت بھی لیتے ہیں۔

٢ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے یہاں ابواب معہود ذہنی ہیں۔ کیف ما اتفق روایات کو جمع نہیں کیا ہے۔ اصول میں اول اور دوسرے درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں، البتہ متابعات میں یعنی جب نحوہ یا مثلہ کہہ کر حدیث کی دوسری سند پیش کرتے ہیں، یا اس حدیث کے متعلق کسی چیز کو نقل کرنے کے لئے مستقل سند سے روایت لاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دونوں حضرات پہلے تین درجہ کے راویوں کی روایت کو لیتے ہیں۔

٣ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ اول، دوم، سوم تین درجہ کے رایوں کی روایت لاتے ہیں اور ضرورت کے وقت چوتھے درجہ کے راوی سے روایت بھی لیتے ہیں اور وہاں "قال ابوداؤد" کہہ کر کے تصفیہ کی سعی کرتے ہیں۔

٤ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ جرح وتعدیل میں "ترمذی" اور "ابوداؤد" سے بھی اونچے ہیں۔ اپنی کتاب میں عامۃً اول، دوم، سوم درجہ کے راویوں سے روایت لیتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں ان کے اقوالِ جرح وتعدیل بکثرت آتے ہیں، لیکن خود ان کی کتاب میں نہیں۔

٥ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول، دوم، سوم، چہارم درجے کے راویوں کی روایت عامۃً لی ہیں اور بوقت ضرورت پانچویں درجہ کے راوی سے بھی روایت لیتے ہیں اور وہاں نقد کرتے ہیں۔ تمام احادیث پر انہوں نے حکم اپنی تجویز کردہ اصطلاح کے مطابق لگاہی دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو حدیث شریف کا درجۂ ثبوت معلوم

ہوجائے۔ یہ کل پانچ حضرات ہوئے۔

❻ نمبر چھ کے سلسلہ میں امت میں کافی اختلاف رہا۔ پہلے ایک زمانہ تک صحاح ستہ میں ''مؤطا امام مالک'' بھی شامل تھی، پھر ایک زمانہ وہ آیا جس میں صحاح ستہ میں ''سنن دارمی'' کا شمار ہونے لگا۔ اس کے بعد سب سے پہلے شیخ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ابن ماجہ'' کو صحاح ستہ میں شامل کیا، پھر ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تجدید کی اور ''ابن ماجہ'' کو بھی شامل فرمایا، اس لئے ''ابن ماجہ'' کے رواۃ پر عامۃً زیادہ بحث و تحقیق نہیں ہوئی، البتہ غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ عامۃً پانچوں اقسام کے راویوں کی روایت لیتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ راویوں کے سلسلہ میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بعد امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام ہے، پھر امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ، پھر امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور پھر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تقسیمِ حدیث

حدیث دو قسم پر ہے: ① متواتر، ② خبر واحد۔

تعریف متواتر: خبر متواتر وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کرنے کو عقل سلیم محال سمجھے۔

خبر واحد: خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہوں۔

اقسام خبر واحد

خبر واحد مختلف اعتبار سے کئی قسموں پر ہے۔

پہلی قسم:

خبر واحد اپنے منتہی کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مرفوع، موقوف، مقطوع۔

① ...... **مرفوع:** مرفوع وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

② ...... **موقوف:** وہ حدیث ہے جس میں صحابی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

③ ...... **مقطوع:** وہ حدیث ہے جس میں تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

خبر واحد کی دوسری قسم:

خبر واحد عدد رُواۃ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے:

مشہور، عزیز، غریب۔

① ...... **مشہور:** مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں تین سے کم نہ ہوں۔

② ...... **عزیز:** عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانہ میں دو سے کم کبھی نہ ہوں۔

③ ...... **غریب:** غریب وہ حدیث ہے جس کے راوی کہیں نہ کہیں ایک ہو۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم:

خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ اقسام پر مشتمل ہے:

صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، ضعیف، صحیح لغیرہ، حسن لغیرہ، موضوع، متروک، شاذ، محفوظ، منکر، معروف، معلل، مضطرب، مصحف، مقلوب، مدرج۔

① ...... **صحیح لذاتہ:** وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہونے کے ساتھ معلل اور شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔

② ...... **حسن لذاتہ:** وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح لذاتہ کے راوی سے ضبط کم درجہ کا ہو، باقی سب شرائط صحیح لذاتہ کے ہیں۔

۳..... ضعیف: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح اور حسن کے شرائط نہ پائے جائیں۔

۴..... صحیح لغیرہ: اس حدیث حسن لذاتہ کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

۵..... حسن لغیرہ: اس حدیثِ ضعیف کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

۶..... موضوع: وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جھوٹ بولنے کا طعن موجود ہو۔

۷..... متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو، یا وہ روایت قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف ہو۔

۸..... شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

۹..... محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

۱۰..... منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات کے مخالف روایت کرے۔

۱۱..... معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو۔ (یعنی ثقات کی حدیث)

۱۲..... مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ اس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

۱۳..... مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے بھول سے متن یا سند میں تقدیم یا تاخیر کر دی ہو، یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہو، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا ہو۔

۱۴..... مصحف: وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں و حرکتوں و سکونوں کے تغیر کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔ کبھی تصحیف راوی

میں ہوتی ہے، جیسے شعبہ کی وہ حدیث جس کو انہوں نے عوام بن مراجم (بالراء والجیم) سے نقل کیا ہے، اس کو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے غلطی سے مراجم کے بجائے مزاحم (بالزاء والحاء) ذکر کیا ہے۔

کبھی تصحیف حدیث میں ہوتی ہے جیسے حدیث میں:

"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنَ الشَّوَّالِ"

کو بعض راوی نے "شَيْئًا" (بالشین المعجمه) ذکر کیا ہے۔

۱۵..... مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کیا ہو۔

۱۶..... معلل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی چھپی ہوئی بیماری ہو جس کو کوئی ماہرِ فن ہی جان سکتا ہے۔

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط و عدمِ سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

متصل، مسند، منقطع، معلق، معضل، مرسل، مدلس۔

۱..... متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں سارے راوی مذکور ہوں کوئی راوی حذف نہ ہو۔

۲..... مسند: وہ حدیث ہے کہ اس کی سند آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

۳..... منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان راوی گرا ہوا ہو۔

۴..... معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی گرے ہوئے ہوں۔

۵..... معضل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں۔

❻ ...... **مرسل:** وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو، یعنی صحابی۔

❼ ...... **مدلس:** وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام چھپا دیا ہو۔

خبر واحد کی پانچویں تقسیم:

خبر واحد صیغۂ ادا کے اعتبار سے دو قسم پر ہے:
معنعن، مسلسل۔

❶ ...... **معنعن:** وہ حدیث ہے جس کی سند میں لفظ ''عن'' ہو اس کو ''معنعن'' کہا جائے گا۔

معنعن کے متصل ہونے کی شرط: اگر راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ممکن ہو اور راوی تدلیس سے بری ہو، ایسے راوی کے ''عن'' کو متصل مانا جائے گا، اس کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم ایک مرتبہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو تب اس کو متصل مانا جائے گا۔ اس مسئلہ کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمہ میں رد کر دیا ہے اور ترجیح میں لہجہ تیز تر ہو گیا ہے۔[1]

❷ ...... **مسلسل:** وہ حدیث ہے جس کو تمام راویوں نے شروع سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک حالت پر بیان کیا ہو، مثلاً تمام راویوں نے اول سے آخر سند تک ''سَمِعْتُ فُلَانًا يَقُوْلُ'' ذکر کیا۔ ''اَخْبَرَنَا فُلَانٌ وَاللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنَا فُلَانٌ وَاللّٰهِ'' اخیر تک سبھی نے یہی لفظ ذکر کیا ہو۔ اس کو مسلسلِ قولی کیا جاتا ہے۔
اور کبھی تسلسل فعلی ہوتا ہے، جیسے حدیث ''مُسَلْسَلٌ بِضِيَافَةِ الْأَسْوَدَيْنِ''

---

[1] دیکھیے ''فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم ص ۱۳۷''۔

(ماء و تمر) کہ ہر راوی نے بعد کے شاگرد کو ماء و تمر دیا۔[1] اور کبھی تسلسل قولاً و فعلاً دونوں طرح ہوتا ہے، جیسے حدیث:

''اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ''

ابوداؤد، مسند احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ راوی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ مجھے تم سے محبت ہے ہر نماز کے بعد کہا کرو ''اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ ......'' الخ دیکھو اس حدیث میں ہاتھ پکڑنا فعل ہے اور قل کہہ کر تلقین کرنا قول ہے، ان دونوں کا اہتمام تمام راویوں نے کیا ہے۔[2]

عمرو بن شعیب والی روایت کی تحقیق

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ، والی سند کی تحقیق۔

نسب: ...... عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

عمرو ... صدوق، صغار تابعین میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کی وفات سن ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے قدر کے ضمن میں آپ سے روایت لی ہے۔[3] ان کے علاوہ مؤلفین سننِ اربعہ بھی آپ سے روایت کرتے ہیں ''عن ابیه ای شعیب صدوق.'' اپنے دادا اور کبار تابعین سے سماع ثابت ہے۔ مذکورہ بالا حضرات نے آپ سے روایت لی ہے ''عن جدّه'' یعنی باپ کے دادا۔ اس ضمیر کا مرجع شعیب

---

[1] یہ ترمذی کی روایت ہے کہ ہر راوی نے اپنے شاگرد کو کھجور کھلائی اور پانی پلایا اور یہ حدیث سنائی:
«اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ» (ترمذی: ۱۴/۲، باب جاء فی رحمة الصبیان. ابواب البر والصلة)

[2] ابوداؤد، باب في الا ستغفار، كتاب الوتر، رقم الحديث ۱۵۲۲.

نوٹ: اصطلاحات حدیث اور ان کی تعریفات کے لئے دیکھیے ''نخبة الفكر'' ''مقدمۂ مشکوٰۃ'' ''مظاهر حق'' ''مقدمه اعلاء السنن'' ''نزهة النظر'' ''تدريب الراوى'' ''توجيه النظر'' ''خير الاصول فى حديث الرسول'' وغیرہ۔

[3] بخاری: ۵۵۳/۱.

ہے عمرو نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ "دار قطنی" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"میں نے ابوبکر نقاش کو سنا وہ کہتے تھے کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں، لیکن ان سے بیس تابعین نقل روایت کرتے ہیں۔"

امام دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"جب اس امر کی میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بیس سے بھی زائد حضرات ان سے روایت نقل کرتے ہیں۔"

ابن صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حافظ ابوموسیٰ الطائی[1] کی قلم سے لکھی ہوئی بات پڑھی کہ عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں لیکن ستر سے زیادہ تابعین ان سے نقل کرتے ہیں۔"

حقیقت میں یہ سب وہم ہے، چونکہ عمرو بن شعیب دو صحابیہ سے نقل کرتے ہیں: رُبَیِّع بنت معوذ بن عفراء، زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ) معلوم ہوا کہ عمرو بن شعیب تابعی ہیں۔

محدثین اختلاف کرتے ہیں "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه" والے نسخہ سے احتجاج صحیح ہے یا نہیں؟ محقق قول یہی ہے کہ مطلقاً نقل صحیح ہے[2] اور یہ محمد جو سند میں مذکور ہے ایک حدیث کے علاوہ ان سے کوئی بات مروی نہیں اور وہ حدیث ابن الهادؒ سے ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو روایۃً نقل کی ہے:

"عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ

[1] ان کا نام عبداللہ بن فضل ہے (لسان الميزان: ۸/۳٤، ورقم: ٤٧٤٦)

[2] دیکھیے ترمذی، کتاب الزکوٰة، باب ماجاء فی زکوٰة مال الیتیم. معارف السنن: ٥/٢٣٧. نصب الراية: ٢/٣٣٢.

عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا "مَرْفُوْعًا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَحَبِّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِّنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ[1]"

مقدمۃ الکتاب

امر اول غرض: ...... جیسا کہ علم حدیث کی غرض وغایت ہوتی ہے ایسے ہی کتاب کی بھی غرض وغایت ہوتی ہے، چنانچہ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ کی غرض اس کتاب سے یہ ہے کہ علامہ محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں ایک کتاب "مصابیح" نامی تصنیف فرمائی تھی جس میں مؤلف نے تمام اہم احادیث کو جس کا جاننا ایک طالب آخرت کے لئے ضروری ہو جمع کردیا، لیکن مؤلف مصابیح نے اختصار کی نیت سے ان احادیث کی اسانید کو حذف کردیا تھا تو بعض ناقدین نے ان پر سخت کلام کیا، حالانکہ مؤلف مصابیح خود ثقات علماء میں سے ہونے کی وجہ سے ان کا نقل کرنا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی ان کی نشاندہی میں جو بات ہے وہ ان کو بے حوالہ چھوڑنے میں نہیں، اس لئے مؤلفِ مشکوٰۃ نے ان احادیث کا حوالہ بھی بیان کردیا اور ان میں کچھ اضافہ بھی اپنی طرف سے فرمایا۔ یہ ہے کتاب "مشکوٰۃ" کی غرض[2]۔

امرِ ثانی وجہ تسمیہ

اس کتاب کا نام ہے "مشكوٰة المصابيح"۔ مشکوٰۃ! لغت میں اس طاق کو کہتے ہیں جس میں چراغ رکھا جائے اور مصابیح! جمع ہے مصباح کی۔ اس کتاب

[1] ابن حبان: ۱/۳۵۲.

[2] مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ علامہ حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کے لئے آمادہ کیا کہ روایات کی تخریج کریں اور مأخذ بیان کریں اور ہر روایت کے ساتھ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی لکھیں۔ (مقدمه شرح الطیبی الکاشف عن حقائق السنن: ۱/۳٤)

کانام مشکوٰۃ اس لئے رکھا گیا کہ طاق میں نور مجتمع ہوتا ہے تو اس میں قوت آتی ہے، بخلاف کھلی جگہ میں اگر چراغ رکھا جائے تو نور میں وہ قوت نہ ہوگی۔ اسی طرح احادیث کے رُواۃ کا نام جب تک نہ معلوم ہو وہ منتشر ہوگی اور جب راوی کا نام معلوم ہوجائے تو وہ منضبط ہوگی۔ یہ وجہ تسمیہ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہے۔[1]

اور علامہ میرک رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجہ تسمیہ یہ بتلائی ہے کہ: مشکوٰۃ یہ مصابیح کی احادیث کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر لئے ہوئے ہے، جیسا کہ طاق اپنے اندر چراغ کو لئے ہوئے ہوتا ہے اور گھیرے ہوتا ہے۔

ایک تیسری وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ: مصابیح سے مراد وہ تمام احادیث ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں، چاہے وہ محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی "المصابیح" سے لی ہوں یا اس کے علاوہ سے اور ان احادیث کو مصابیح سے تعبیر اس لئے کیا کہ یہ نورانی نشانیاں اور واضح علامتیں ہیں جو سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ظاہر ہوئیں تاکہ اس کے ذریعہ آپ کی امت گمراہی کے جنگل اور جہالت کے صحراء میں راہ حاصل کرلے، چنانچہ اسی بنیاد پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں:

"أَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ"[2]

کہا گیا ہے اور چونکہ ان کی یہ کتاب ان احادیث کو جو مصابیح ہدایت ہیں جامع تھی اس لئے اس کو "مشکوٰۃ" سے تشبیہ دی۔[3]

---

[1] حوالہ بالا: ۱/۸۸۔

[2] مشکوٰۃ، ص ٥٥٤، باب مناقب الصحابة.

[3] مرقاۃ: ۱/۳۷۔

وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ مِنْ أَرْبَابِ الْحَالِ ؎

لَئِنْ كَانَ فِي الْمِشْكٰوةِ يُوْضَحُ مِصْبَاحٌ　　فَذَالِكَ مِشْكٰوةٌ وَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ

وَفِيْهَا مِنَ الْأَنْوَارِ مَا شَاعَ نَفْعُهَا　　لِهٰذَا عَلٰى كُتُبِ الْأَنَامِ تَرَاجِيْحُ

امرِ ثالث مؤلفِ کتاب

چونکہ مشکوٰۃ، المصابیح ہی میں اصلاح و اضافہ کرکے تیار ہوئی ہے اس لئے گویا "المصابیح" اس کی اساس و بنیاد ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صاحب مصابیح کے حالات ذکر کئے جائیں، اس کے بعد صاحب مشکوٰۃ کے۔

مؤلف المصابیح

نام حسین، کنیت ابو محمد، لقب محی السنۃ، والد کا نام مسعود اور دادا کا نام محمد ہے۔ فراء بغوی کے نام سے مشہور ہیں اور ابن الفراء بھی کہلاتے ہیں۔ آپ ۴۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی میں فرو، پوستین کو کہتے ہیں۔ ان کے باپ پوستین بنایا کرتے تھے، اس لئے آپ کو فراء اور ابن الفراء کہا جاتا ہے۔[1]

بغوی یہ ان کے وطن "بغو" جس کی اصل "بغشور" ہے جو باغ کور کا معرب ہے۔ یہ شہر ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے۔ شور کو حذف کرکے بغو کی طرف نسبت کی تو بغوی ہوگیا۔ (یہ لفظ ثنائی ہے مگر زیادتِ واؤ کی وجہ سے ثلاثی ہوگیا)[2]

فَفِيْهِ أُصُوْلُ الدِّيْنِ وَ الْفِقْهُ وَالْهُدٰى　　حَوَائِجُ أَهْلِ الصِّدْقِ مِنْهُ مَنَاجِيْحُ

یعنی اگر عام طاقچوں میں صرف ایک ایک چراغ ہوتا ہے، تو یہ ایسا طاقچہ ہے جس میں کئی چراغ موجود ہیں۔

اور اس میں ایسے انوار ہیں جن کی افادیتِ عام پھیل چکی ہے، اس کتاب کو دیگر حضرات کی کتابوں پر گوناگوں ترجیحات حاصل ہیں۔

چنانچہ اس میں اصول دین فقہ اور ہدایت سب کچھ ہے اور تمام اہل صدق کی دینی حاجات اس سے بخوبی پوری ہوتی ہیں۔

[1] ایک فراء نحوی بھی مشہور ہیں مگر وہ اور ہیں۔

[2] "بغی" کے بجائے "بغوی" واو کے اضافہ سے نسبت کی گئی، چونکہ "بغی" کے معنی زانیہ کے ہیں اس لئے التباس سے بچنے کے لئے "اسماء محذوفة الاعجاز" کا قاعدہ جاری کردیا گیا ہے، جیسے "دم" سے "دموی" "اب" سے "ابوی" اور "اخ" سے "اخوی" بنایا جاتا ہے اور واو کا

آپ اپنے زمانہ کے مشہور محدث ومفسر اور بلند پایہ قراء میں سے تھے۔[۱] فقہ میں قاضی حسین بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور شافعی المسلک ہیں اور حدیث میں ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں، جو زمرۂ محدثین میں داخل ہیں۔ عبدالواحد صیرفی اور علی بن یوسف جوینی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی کافی استفادہ کیا ہے۔

تمام عمر تصنیف وتالیف اور حدیث وفقہ کے درس میں مشغول رہے۔ ہمیشہ با وضو درس دیتے اور زہد وقناعت میں زندگی گذارتے تھے۔ افطار کے وقت خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تر کرکے کھاتے تھے، جب لوگوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہوجائے گی تو سالن کے طور پر روغنِ زیتون استعمال کرنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی کا انتقال ہوا اور کافی مال چھوڑ کر وفات پائی، لیکن آپ نے ان کی میراث میں سے کوئی چیز نہیں لی۔

جب آپ نے ''شرح السنۃ'' تصنیف کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ: تونے میری احادیث کی شرح کرکے میری سنت کو زندہ کردیا، اسی دن سے آپ کا لقب محی السنۃ مشہور ہوگیا۔

ماہ شوال میں بمقام مرو وفات پائی اور اپنے استاذ قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس مقبرۂ طالقانی میں مدفون ہوئے۔ وہاں آپ کی قبر مشہور ومعروف ہے۔ عمر اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی۔[۲]

آپ نے متعدد تصانیف فرمائی ہیں۔ تفسیر میں ''مَعَالِمُ التَّنْزِيْل'' فقہ میں ''تَرْجَمَةُ الْأَحْكَام'' ''تَهْذِيْبُ فَتَاوىٰ بَغَوِيَّة'' حدیث میں ''شَرْحُ السُّنَّة''

اضافہ کردیا جاتا ہے۔ (اشعة اللمعات: ١/٢٦. مرقاة: ١/١١).

[۱] ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں ''كَانَ مُفَسِّرًا، مُحَدِّثًا، فَقِيْهًا وَكَانَ مَاهِراً فِيْ عِلْمِ الْقِرَاءَةِ'' (مرقاة: ١/١٠)

[۲] سن وفات ۵۱۶ھ ہے۔ (اشعة اللمعات: ١/٢٦. معجم البلدان: ١/٤٦٨)

''إِرْشَادُ الْأَنْوَارِ فِيْ شَمَائِلِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ'' ''اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ'' اور ''اَلْمَصَابِيْحُ''۔[۱]

احادیث مصابیح

''المصابیح'' میں: ۴۴۸۴/ احادیث ہیں۔[۲] بخاری ومسلم سے: ۲۴۳۴/ اور سنن ابوداود، ترمذی وغیرہ سے: ۲۰۵۰، لیکن صاحب کشف الظنون نے احادیث مصابیح کی تعداد بعض حضرات سے نقل کی ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے کل احادیث کی تعداد: ۴۷۱۹/ بتلائی ہے، جن میں سے: ۳۲۵/ بخاری کی اور: ۸۷۵/ مسلم کی اور: ۱۰۵۱/ متفق علیہ ہیں اور باقی دیگر کتب احادیث کی ہیں۔

صاحب کشف الظنون نے بعض حضرات کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس کتاب کا نام ''مصابیح'' خود مصنف کا معین کردہ نہیں ہے، بلکہ صاحب کتاب نے جو دیباچہ میں کہا ہے کہ:

''اَمَّا بَعْدُ! اِنَّ اَحَادِيْثَ هٰذَا الْكِتَابِ مَصَابِيْحُ''

اس کی وجہ سے بطور غلبہ اس کا نام ''مصابیح'' ہوگیا۔ ''المصابیح'' کی سولہ سے زیادہ شروحات ہیں۔

مؤلف مشکوٰۃ

نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ولی الدین اور والد کا نام عبداللہ ہے۔ نسباً عمری

[۱] دیکھیے الاعلام للزرکلی: ٢/٢٥٩. کشف الظنون: ١/٣٩٧، ٢/١٤٩٩.

[۲] بستان المحدثین اردو، ص ۲۲۵۔ صاحب مرقاۃ نے مصابیح کی احادیث کی تعداد (۴۴۳۴) بتلائی ہیں: ''قِيْلَ أَحَادِيْثُهٗ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَّأَرْبَعُ مِائَةٍ وَّأَرْبَعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ حَدِيْثًا''
اس پر صاحب مشکوٰۃ رحمہ اللہ نے (۱۵۱۱) کا اضافہ فرمایا اس طرح مجموعی تعداد (۵۹۴۵) ہوگئی:
''وَزَادَ صَاحِبُ الْمِشْكٰوةِ أَلْفًا وَّ خَمْسَ مِائَةٍ وَّ أَحَدَ عَشَرَ حَدِيْثًا، فَالْمَجْمُوْعُ خَمْسَةُ آلَافٍ وَّتِسْعُمِائَةٍ وَّ خَمْسَةٌ وَّأَرْبَعُوْنَ'' (مرقاة: ١/١٠)

ہیں اور خطیب تبریزی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور ہیں۔ اپنے وقت کے محدث، علامہ اور فصاحت وبلاغت کے امام تھے۔ حدیث میں آپ کا امتیازی پایہ ''مشکوٰۃ'' سے ظاہر ہے۔ مبارک شاہ، صاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور یہی ''مشکوٰۃ'' ہے، جس میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثیں بھی جمع ہیں۔ یہ نہایت مقبول ومتداول کتاب ہے۔ ہندوستان میں تو ایک مدت تک ''مشکوٰۃ'' اور ''مشارق الانوار'' ہی حدیث کا کمال معراج رہی ہیں اور اب بھی جبکہ صحاح ستہ فن حدیث کی تکمیل کے لئے ضروری قرار پا چکی ہیں ''مشکوٰۃ'' بھی دورۂ حدیث سے قبل لازمی ہے، کیونکہ کسی زمانہ میں ''مشکوٰۃ'' کو قرآن کی طرح زبانی یاد کیا جاتا تھا۔

مصابیح میں صرف احادیث مذکور تھیں۔ راوی کا نام، مخرج حدیث، صحت وضعف اور حسن وغیرہ کا تذکرہ نہیں تھا۔ صاحب مشکوٰۃ نے جملہ امور بیان کئے اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ حدیث کس کتاب کی ہے، چنانچہ تیرہ اصحاب حدیث کا خصوصی ذکر کیا: ۱ تا ۶/ اصحاب صحاح ستہ، امام مالک، شافعی، احمد، دارمی دارقطنی، بیہقی اور ابوالحسن رزین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر صرف صاحب مصابیح کے لکھنے پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اصول کی ان تمام کتابوں میں روایات کا اختلاف مقابلہ کرکے نقل کیا ہے اور جہاں جہاں صاحبِ مصابیح نے احادیث کو غریب یا ضعیف یا منکر قرار دیا ہے موصوف نے اس کا سبب بھی ظاہر کردیا۔ صاحب مصابیح نے ہر باب کے تحت دو فصلیں قائم کی تھیں۔ فصل اول میں صحیحین کی حدیث لائے ہیں جن کو صحاح کے نام سے تعبیر کیا ہے اور فصل ثانی میں ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ کی احادیث لائے ہیں جن کو حسان کے نام سے یاد کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اکثر وبیشتر ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا ہے، جس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی احادیث بھی لائے ہیں، نیز

احادیث کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے اقوال وافعال بھی جو باب کے مناسب تھے جمع کردیئے ہیں۔

مشکوٰۃ کی احادیث، کتب، ابواب

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''بستان المحدثین''[1] میں بیان کیا ہے کہ:

''مصابیح'' کی احادیث: ۴۴۸۴/ ہیں۔ (ابن ملک نے بھی یہی تعداد بیان کی ہے) اس پر صاحب مشکوٰۃ نے: ۱۵۱۱/ کا اضافہ کیا ہے تو ''مشکوٰۃ'' کی کل احادیث: ۵۹۹۵/ ہوئیں۔

لیکن صاحب مظاہر حق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مصابیح'' کی احادیث: ۴۴۳۴/ مانی ہیں۔[2] اس اعتبار سے ''مشکوٰۃ'' کا مجموعہ: ۵۹۴۵/ ہے۔

''تاریخ الحدیث'' میں ہے کہ ''مشکوٰۃ'' میں: ۲۹/ کتابیں: ۳۲۷/ ابواب اور: ۱۰۳۸/ فصلیں ہیں۔[3]

صاحب مشکوٰۃ کا سن وفات معلوم نہ ہوسکا، البتہ یہ ضرور ہے کہ ۷۳۷ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان ۷۳۷ھ میں تو اس تالیف سے فراغت ہوئی ہے، جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے آخر کتاب میں تصریح کی ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ ۷۴۰ھ کے بعد وفات ہوئی ہے، اس لئے کہ "اکمال فی رجال المشکوٰۃ" بھی خود انہیں کی تالیف ہے اور اس سے ۲۷/ رجب ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے ہیں، چنانچہ صاحب تاریخ الحدیث نے ۷۴۰ھ مانا ہے اور بعض حضرات نے اندازہ لگا کر ۷۴۸ھ بتلایا ہے۔

---

[1] دیکھیے صفحہ نمبر ۱۰۴ حاشیہ نمبر (۲)۔
[2] مظاہر حق جدید: ۴۲/۱.
[3] کشف الظنون: ۱۷۰۰/۲.

شروح، حواشی وتراجم

"مشکوٰۃ" کی بھی بہت سے لوگوں نے شرحیں لکھی ہیں، جن میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی:

۱ ...... "مرقاۃ المفاتیح" احناف کے لئے بڑی اچھی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کتاب کی مختلف شرحیں کی گئیں ہیں۔

۲ ...... شرح الطیبی: الامام الکبیر شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۴۳ھ نے بہترین اور جامع شروح لکھی جو تمام شروحات کا مرجع سمجھی جاتی ہے۔

۳ ...... حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے شیخ سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کا "مشکوٰۃ" پر ایک حاشیہ ہے۔

۴ ...... "اللمعات": حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک شرح عربی میں مبسوط لکھی۔

۵ ...... "اشعۃ اللمعات": یہ فارسی میں مختصر شرح ہے۔

۶ ...... "ذریعۃ النجاۃ": اسی طرح شیخ عبد النبی عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۰۲۰ھ نے "ذریعۃ النجاۃ" نامی ایک شرح لکھی ہے۔

۷ ...... "زینۃ النکات": اسی طرح سیّد ابوالمجد محبوب عالم بن سعید جعفری احمد آبادی متوفی ۱۱۱۱ھ نے "زینۃ النکات" نامی شرح لکھی ہے۔

۸ ...... "مظاہر حق": ایک اردو شرح نواب قطب الدین خان محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۲۸۹ھ نے "مظاہر حق" نامی لکھی جو بہت مقبول ہے۔

۹ ...... اس کا ایک اردو ترجمہ جلد اول مولانا کرامت علی جونپوری متوفی ۱۲۹۰ھ نے کیا ہے۔

۱۰ ...... "الرحمة المهداة": اور ایک اردو ترجمہ پوری کتاب کا نواب صدیق حسن خان کے صاحبزادہ نورالحسن نے "الرحمة المهداة" نامی کیا ہے۔

۱۱ ...... "التعليق الصبيح" اور ابھی ماضی قریب میں اس کی ایک عربی شرح مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۳۹۴ھ نے "التعليق الصبيح" نامی کی ہے۔

۱۲ ...... "مرعاة المفاتيح" اور ایک عربی شرح "مرعاة المفاتيح" نامی مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (اہلِ حدیث) نے لکھی ہے۔[1]

نوعِ مشکوٰۃ

امرِ رابع نوع: ...... یہ کتب حدیث کی جو انواع بیان ہوئیں اس اعتبار سے "مشکوٰۃ" مستدرک، تخریج اور تعلیق ہے۔

امرِ خامس مرتبہ: ...... "مشکوٰۃ" کا مرتبہ فی زماننا تعلیم کے اعتبار سے کتب حدیث میں سب سے پہلے ہے، اس لئے کہ یہ دورۂ حدیث سے پہلے پڑھائی جاتی ہے۔

امرِ سادس قسمت وتبویب: ...... کتاب کی تقسیم وتبویب وہ فہرست ہے جو کتابوں کے شروع میں یا آخر میں لگا دیتے ہیں کہ فلاں مضمون فلاں صفحہ پر ہے اور یہ باب

---

[1] ۱۳ ...... "تنظيم الاشتات لحل عويصات المشكوٰة" حضرت مولانا ابوالحسن صاحب شیخ التفسیر دار العلوم ہاٹ ہزاری بنگلہ دیش کی چار جلدوں میں بہترین اردو شرح ہے۔

۱۴ ...... میر سیّد شریف علی بن محمد جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حاشیہ ہے جو علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح سے تو بہت مختصر لیکن نافع ہے۔

۱۵ ...... "هداية الرواة الى تخريج المصابيح و المشكوٰة" للحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ۔

۱۶ ...... "نفحات التنقيح فى شرح مشكوٰة المصابيح" حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے درسی افادات کا مجموعہ حال ہی میں تین جلد میں شائع ہوا ہے۔ مفصل، مفید و قابلِ مطالعہ ہے۔

فلاں ورق پر ہے۔

امرِ سابع حکمِ شرعی:...... اس حکم کی دو نوعیں ہیں: ایک پڑھنے پڑھانے کے اعتبار سے، دوسری اس کی احادیث پر عمل کرنے کے اعتبار سے۔ پڑھنے پڑھانے کی حیثیت سے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بصورتِ تفرد واجب ہے اور بصورت تعدد واجب علی الکفایہ، یعنی اگر کتب احادیث میں صرف ''مشکوٰۃ شریف'' پائی جائے تو اس کا پڑھنا واجب العین ہے اور اگر بہت سی کتب احادیث موجود ہوں تو اس کا پڑھنا واجب علی الکفایہ ہے، کیونکہ مقصود دین حاصل کرنا ہے۔

اور دوسرے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ اس کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی معارض موجود نہ ہو، مثلاً کوئی آیت کریمہ معارض ہو یا اور کوئی حدیث، پھر جب تعارض ہوگا تو ہم غور کریں گے۔ یہ سات امور پورے ہوئے جن کا نام تھا ''مقدمة الكتاب.''

منسوباتِ مشکوٰۃ

صاحب مشکوٰۃ نے کتاب المصابیح کی احادیث کو عموماً تیرہ ائمۂ حدیث کی طرف منسوب کیا ہے جن کے نام یہ ہیں:

امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام شافعی، امام ترمذی، امام احمد ابن حنبل، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مختصر تذکرہ کردیا جائے۔

تذکرۂ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نام ونسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بَرْدِزْبَہ، بردزبہ دھقان بخارا کی زبان میں کاشتکار یا کارندہ کو کہتے ہیں۔ بخاری کو: وِلا کی طرف منسوب کرکے جعفی کہتے ہیں، چونکہ اس زمانہ کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا اس کو اسی کے قبیلہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ بخاری کے جد ثانی مغیرہ حاکم بخارا یمان (بخاری) جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اس لئے بخاری کو جعفی بھی کہنے لگے۔

امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ کمزور جسم کے تھے۔ نہ دراز قامت نہ کوتاہ قد، بلکہ درمیانہ قد رکھتے تھے۔

بخاری بچپن میں ہی نابینا ہوگئے تھے، اس وجہ سے ان کی والدہ کو اس کا سخت قلق رہتا تھا اور وہ نہایت گریہ وزاری سے خدائے پاک کی جناب میں ان کی بصارت کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ ایک شب کو ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ وزاری او. دعا کے سبب تیرے فرزند کو بصارت عنایت فرمائی، جب وہ صبح اٹھیں تو اپنے لختِ جگر کی آنکھوں کو روشن پایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو احادیث یاد کرنے کا بچپن ہی سے شوق تھا، چنانچہ

[1] امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے ''تاريخ الخطيب'' ۲، ٤ ص ۳٦. ''انساب السمعاني'' ۲/۱۰۰. ''وفيات الاعيان'' ٤/۱۸۸. ''سير اعلام النبلاء'' ۱۲/۳۹۱. ''تذكرة الحفاظ'' ۲/۵۵۵، ''تهذيب الكمال'' ۲٤/٤۳۰. ''طبقات السبكي'' ۲/۲۱۲. ''الكاشف'' ۳ الترجمة ٤۷۸٦. ''التقريب'' ۲/۱٤٤. ''ثقات ابن حبان'' ۹/۱۱۳.

دس سال کی عمر میں یہ حالت تھی کہ مکتب میں جس جگہ حدیث کا نام سنتے فوراً اس کو یاد کر لیتے۔ مکتب سے فراغت پائی اور یہ معلوم ہوا کہ بخارا میں علامہ داخلی رحمہ اللہ تعالیٰ علمائے حدیث میں سے ہیں تو ان کی خدمت میں آمد ورفت شروع کی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ علامہ داخلی اپنے نسخہ سے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے اثناء درس میں ان کی زبان سے نکلا "سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ" امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فوراً بول پڑے کہ حضرت! ابو الزبیر کا لقاء (ملاقات) ابراہیم سے ثابت نہیں، بلکہ یہ زبیر بن عدی ہیں، مگر علامہ داخلی نے ان کی بات کو تسلیم نہ کیا تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اس کو اصل نسخہ میں دیکھنا چاہیئے، چنانچہ علامہ داخلی اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اصل نسخہ پر نظر ڈالی، باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ: اس لڑکے کو بلاؤ! جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے تو علامہ داخلی نے فرمایا کہ میں نے اس وقت جو پڑھا تھا بیشک وہ غلط نکلا، اب آپ بتلائیں کہ صحیح کس طرح ہے اس پر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا "سُفْيَانُ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ" ہے۔ علامہ داخلی حیران ہو گئے اور کہا واقعی ایسا ہی ہے، پھر قلم اٹھا کر قرأت کے نسخہ کی تصحیح کی۔

یہ واقعہ ان کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے۔ جب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سولہ سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں یاد کر لیں اور وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخے بھی ازبر کر لئے، پھر اپنی والدہ اور بھائی احمد کے ہمراہ حج کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ حج سے فراغت پائی تو ان کی والدہ اور بھائی وطن واپس چلے آئے اور وہ خود بلاد حجاز میں طلب حدیث کیلئے رک گئے۔ اٹھارہ سال کے ہوئے تو سلسلۂ تصنیف شروع کیا اور فضائل صحابہ و تابعین اور ان کے اقوال کا ذخیرہ فراہم کرنے لگے، یہاں تک کہ اس کو ایک مجموعہ کی شکل دے کر اور مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر "کتاب

التاریخ" کا مسودہ شروع کر دیا۔ آپ راتوں کو چاند کی روشنی میں لکھا کرتے تھے۔

حاشد ابن اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ (جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ کے محدث ہیں) کہتے ہیں کہ:

"امام بخاری طلب حدیث کے لئے میرے ہمراہ شیوخ وقت کی خدمت میں آمد ورفت رکھتے تھے، لیکن ان کے پاس قلم ودوات یعنی لکھنے کا سامان کچھ نہ ہوتا تھا اور نہ وہاں کچھ لکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ جب تم حدیث کو سن کر لکھتے نہیں تو تمہارے آنے جانے سے کیا فائدہ؟ اس طرح سننا تو ہوا کی طرح ہے، ایک کان سے گھس کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ سولہ دن کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو تنگ کر دیا، آؤ اب میری یاد کا اپنے نوشتوں سے مقابلہ کرو، اس مدت میں ہم نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازبر صحت کے ساتھ سب کو اس طرح سنایا کہ میں خود اپنی لکھی ہوئی کو ان سے صحیح کرتا تھا، اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں عبث اور بے فائدہ سرگردانی کرتا ہوں؟ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ یہ ہونہار ہیں اور آگے چل کر کوئی ان سے مقابلہ نہ کر سکے گا۔"

"جامع صحیح بخاری" کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ وہ ایک دن اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں حاضر تھے، اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے احباب نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی توفیق دے کہ سنن میں کوئی ایسا مختصر تیار کرے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہوں تاکہ عمل کرنے والے بلا خوف وتردد مجتہدین کی طرف مراجعت کئے بغیر اس پر عمل پیرا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوگئی اور اسی وقت سے اس جامع کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے

جو ان کے پاس موجود تھا انتخاب شروع کیا، جو ان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفاء کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے سبب چھوڑ بھی دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جب کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اول غسل کر کے دو رکعت نفل ادا فرماتے اور اس کو لکھتے، چنانچہ سولہ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے (اس کو اصطلاح محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا، ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی حسن نیت کا نتیجہ تھا کہ ”جامع صحیح“ اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی ہی میں اس کو نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں نے آپ سے بلا واسطہ سنا، جن میں سب سے آخری فربری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور آجکل ان کی روایت ہی علو اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ”مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہ کیا جائے گا، کیونکہ میں نے بفضل اللہ کسی کی غیبت نہیں کی۔“

سبحان اللہ! کس قدر تعفّف اور تورّع تھا۔

طریقۂ صالحین کے مطابق بخاری پر بھی کئی طرح کی آزمائشیں آئیں ان میں سے ایک یہ کہ خالد بن احمد ذہلی امیر بخارا نے ان کو اس امر کی تکلیف دینی چاہی کہ اس کے مکان پر آ کر اس کے بیٹوں کو ”جامع“ و ”تاریخ“ اور دوسری کتابوں کا درس دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یہ حدیث کا علم ہے میں اس کو ذلیل

کرنا نہیں چاہتا، اگر تم کو غرض ہے تو اپنے بیٹوں کو میری مجلس میں بھیج دیا کرو تا کہ دوسرے طلبہ کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں، امیر نے کہا اگر ایسا ہے تو جس وقت میرے بیٹے آپ کے پاس آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی خدمت میں نہ آنے دیں، میرے دربان اور چوکیدار دروازہ پر تعینات رہیں گے، میری نخوت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ جس مجلس میں میرے بیٹے موجود ہوں وہاں جولاہے اور دھنئے بھی ان کے ہمنشین ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ:

> ”یہ علم پیغمبر کی میراث ہے اس میں ساری امت شریک ہے، کسی کی کوئی خصوصیت نہیں۔“

اس گفت وشنید سے امیر مذکور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے رنجیدہ ہوگیا۔ طرفین میں کدورت بڑھتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ امیر مذکور نے ابی الورقاء اور اس وقت کے دوسرے علماء ظاہری کو اپنے ساتھ ملا لیا اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر طعن کرنے لگے اور ان کے اجتہاد میں غلطیاں نکال کر ایک محضر تیار کرایا اور اس حیلہ و بہانہ سے بخارا سے ان کو نکال دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے جناب الٰہی میں دعاء کی کہ اے اللہ! ان لوگوں کو اس بلا میں مبتلا کر جس میں وہ مجھ کو کرنا چاہتے ہیں۔

ابھی ایک مہینہ بھی نہ گذرنے پایا تھا کہ خالد بن احمد معزول ہوا۔ خلیفۂ وقت کا حکم پہنچا کہ ان کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں گھمائیں۔ انجام کار اس کو کامل تباہی کا سامنا ہوا جیسا کہ کتب تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور مشہور ہے۔ حریث بن ابی الورقاء کو بھی بے حد رسوائی اور فضیحت کا منہ دیکھنا پڑا، ان کا وقار خاک میں مل گیا، نیز اس وقت ان علماء کو بھی جو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے درپے تذلیل اور (خالد بن احمد ذہلی کے) مشورہ میں شریک تھے پوری پوری آفت پہنچی۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس بے کسی کی حالت میں پہلے نیشاپور گئے، جب وہاں کے امیر سے بھی نہ بنی تو وہاں سے مراجعت کر کے خرتنگ تشریف لے آئے۔ (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو سمرقند سے تین فرسخ [دس میل] کے فاصلہ پر واقع ہے)
۲۵۶ھ میں شب جمعہ کو لیلۃ الفطر تھی عشاء کی نماز کے وقت اسی جگہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا۔ عید کے دن نماز ظہر کے بعد دفن کر دیئے گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر ۶۲ سال تھی۔[1]

عبدالواحد طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اس زمانہ کے صلحاء واکابر اولیاء میں سے تھے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے اصحاب کے سرِ راہ منتظر کھڑے ہیں انہوں نے سلام کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کی خبر سنی، جب میں نے لوگوں سے وقت وفات کی تحقیق کی تو وہی ساعت معلوم ہوئی جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں منتظر دیکھا تھا۔

وقت شدت، خوف دشمن، سختی مرض، قحط سالی اور دیگر بلاؤں میں "بخاری" کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے، چنانچہ اکثر اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

[1] کسی نے مختصر طور پر ولادت، وفات اور عمر کا یوں ذکر کیا ہے ۔

كَانَ الْبُخَارِيُّ حَافِظًا وَ مُحَدِّثًا   جَمَعَ الصَّحِيْحَ مُكَمَّلَ التَّحْرِيْرِ
مِيْلَادُهُ صِدْقٌ وَ مُدَّةُ عُمْرِهِ   فِيْهَا حَمِيْدٌ وَ انْقَضٰى فِيْ نُوْرٍ

تذکرہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

امام مسلم ابن الحجاج القشیری نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ابو الحسین اور لقب عساکر الدین ہے۔ ان کے دادا کا نام مسلم بن ورد بن کرشاد ہے۔ بنی قشیر عرب کے مشہور قبیلہ کی طرف منسوب تھے۔ نیشاپور خراسان کا ایک بہت خوبصورت اور بڑا شہر ہے اس لحاظ سے نیشاپوری بھی کہے جاتے تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے اکابرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ابوزرعہ رازی اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت حدیث کی گواہی دی ہے اور ان کو محدثین کا پیشوا تسلیم کیا ہے۔ ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اس زمانہ کے دوسرے بزرگوں مثلاً امام ترمذی اور ابوبکر بن خزیمہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کی ہے۔

امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں، جن میں تحقیق و امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور "صحیح مسلم" میں تو خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بھی اخص خصوص اسانید اور متون کا حسن سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورع تام اور احتیاط اس قدر ہے جس میں کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اختصار کے ساتھ اسانید کی تلخیص اور ضبط انتشار میں یہ کتاب بے نظیر واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح حافظ ابوعلی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی اس صحیح کو تمام تصانیف علم حدیث پر ترجیح دیا کرتے تھے:

[1] امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھئے "سیر اعلام النبلاء" ۵۵۷/۱۲۔ "انساب السمعانی" ۱۵۵/۱۰۔ "تذکرة الحفاظ" ۵۵۷/۱۲۔ "التقریب" ۲۴۵/۲۔ "تاریخ الخطیب" ۱۰۰/۱۳۔ "تہذیب الکمال" ۴۹۹/۲۷۔ "الکامل فی التاریخ" ۲۸۹/۷، و ۱۲۳/۸۔

"مَاتَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَآءِ اَصَحَّ مِنْ كِتَابِ مُسْلِمٍ" (فی علم الحديث)

یعنی علم حدیث میں روئے زمین پر "مسلم" سے بڑھ کر صحیح ترین اور کوئی کتاب نہیں ہے۔ اہل مغرب کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ حدیث بیان کریں گے جس کو کم از کم دو تابعین نے دو صحابہ سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلۂ اسناد ان (امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ) تک ختم ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ راویوں کے اوصاف میں بھی صرف عدالت ہی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ شرائط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر پابندی نہیں ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت تورع اور احتیاط کے ساتھ اپنی سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں میں سے اس صحیح کا انتخاب کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عمر بھر میں کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔

صحیح وسقیم حدیثوں کی پہچان میں اپنے تمام اہل عصر میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اکثر روایات اہل شام سے بطریق مناولہ (یعنی ان کی کتابوں سے لی گئیں ہیں خود ان کے مؤلفین سے نہیں سنی گئیں) اس لئے ان کے راویوں میں کبھی کبھی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے غلطی واقع ہوجاتی ہے۔ ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو دو سمجھ لیتے ہیں۔ یہ مغالطہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو پیش

نہیں آتا۔

نیز حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصرفات مثلاً تقدیم وتاخیر، حذف واختصار کی وجہ سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہوجاتی ہے، ہرچند کہ خود بخاری ہی کے دوسرے طرق دیکھ کر وہ صاف بھی ہوجاتی ہے لیکن امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ہی اختیار نہیں کیا بلکہ متونِ حدیث کو موتیوں کی لڑی کے مانند اس طرح مرتب کیا ہے کہ تعقید کے بجائے اس کے معانی اور چمکتے چلے جاتے ہیں۔

"صحیح مسلم" کی طرح امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مفید تالیفات بھی ہیں مثلاً: "كِتَابُ الْمُسْنَدِ الْكَبِيْرِ عَلَى الرِّجَالِ" "كِتَابُ الْأَسْمَآءِ وَالْكُنٰى" "كِتَابُ الْعِلَلِ" "كِتَابُ الْوَحْدَانِ" "كِتَابُ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ" "كِتَابُ مَشَائِخِ مَالِكٍ" "كِتَابُ ذِكْرِ أَوْهَامِ الْمُحَدِّثِيْنَ" "كِتَابُ التَّابِعِيْنَ."

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اکابر محدثین میں سے ہیں امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لئے مباح کردیا ہے جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابوعلی زاغوانی کو ان کی وفات کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ کس عمل سے تمہاری نجات ہوئی؟ تو انہوں نے "صحیح مسلم" کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان اجزاء کی بدولت۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعض نے کہا ۲۰۴ھ میں اور بعض ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے "جامع الاصول" کے مقدمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے، واللہ اعلم۔ ان کی وفات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا انتقال یکشنبہ کی شام کو ہوا اور ۲۵ / رجب ۲۶۱ھ میں دوشنبہ کے روز دفن کئے گئے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سبب بھی عجیب وغریب ہے۔ کہتے ہیں کہ

ایک روز مجلس مذاکرۂ حدیث میں آپ سے کوئی حدیث پوچھی گئی آپ اس وقت اس کو نہ پہچان سکے، اپنے مکان پر تشریف لائے اور اپنی کتابوں میں اس کو تلاش کرنے لگے، کھجوروں کا ایک ٹوکرا ان کے قریب رکھا تھا آپ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں سے کھاتے رہے، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کی فکر و جستجو میں کچھ ایسے مستغرق رہے کہ حدیث کے ملنے تک تمام کھجوروں کو تناول فرما گئے اور کچھ خبر نہ ہوئی، بس یہی زیادہ کھجور کھا لینا ان کی موت کا سبب بنا۔ حافظ عبدالرحمٰن بن علی الربیع یمنی شافعی کہتے ہیں ؎

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ ۔۔۔ لَدَيَّ وَ قَالُوْا أَيُّ ذَيْنِ يُقَدَّمُ

فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبُخَارِيُّ صِحَّةً ۔۔۔ كَمَا فَاقَ فِيْ حُسْنِ الصَّنَاعَةِ مُسْلِمُ

تَرْجَمَہ: ”میرے سامنے امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں نے تنازع کیا اور کہا کہ ان دونوں میں سے (مرتبہ) میں کون مقدم ہے، میں نے کہا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحت کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں، جیسے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ حسنِ ترتیب میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں[1]۔“

[1] ”فتح الملہم“ ۱/۲۷٦، ”بستان المحدثین“ اردو، ص ۱۸۰.

تذکرۂ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نسب یہ ہے: ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی المدنی۔ اصبح یہ قبیلۂ قحطان کی ایک شاخ ہے جو یمن کا باعزت قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ حارث قبیلۂ اصبح سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لئے ان کا لقب ”ذو اصبح“ ہے۔ آپ کے آباء و اجداد میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے پردادا ابو عامر ہیں۔

ان کے صحابی ہونے میں علمائے اسماء الرجال کا اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”تَجْرِيْدُ الصَّحَابَه“ میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی کو میں نے ان کا شمار صحابہ میں کرتے ہوئے نہیں پایا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”اَلْإِصَابَه“ میں ان کو قسم ثالث میں بیان کیا ہے اور وہاں صرف ذہبی کا قول ذکر کیا۔ اصابہ میں قسم ثالث ان صحابہ کے تذکرہ میں ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو پایا اور کسی بھی روایت میں یہ نہیں آیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور

[1] امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے: ”تہذیب الکمال“ ۲۷/۹۱. ”طبقات ابن سعد“ ۹/۲۵۰. ”حلیة الاولیاء“ ٦/۳۱٦. ”انساب السمعانی“ ۱/۲۸۷. ”الکامل فی التاریخ“ ٥/٥۳۲. ”الفہرس لابن ندیم“ ۲۸/۲۸٤. ”تہذیب الاسماء للنووی“ ۲/۷٥،۷۹. ”سیر اعلام النبلاء“ ۸/٤۸، ۱۲۱ : ”تذکرة الحفاظ“ ۱/۲۰۷،. ”خلاصة الخزرجی“: ۳. ”الترجمة“ ٦۷۹٦. ”صفة الصفوة“ ۲/۱۷۷، ۱۸۰ . ”الکاشف“ ۳:. ”الترجمة“ ٥۳۲۹. ”البدایة النہایة“ ۱۰/۱۷٤، ۱۷٥ . التقریب“ ۲/۲۲۳.

قاضی ابوبکر بن العلی القشیری سے نقل کیا ہے کہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں اور غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تَنْوِيْرُ الْحَوَالِك" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور آپ کے دادا مالک بن عامر کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں، بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن چار اشخاص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دیا اور رات کو لے جا کر قبر میں دفن کیا ان میں سے ایک ہیں۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سن ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، چنانچہ یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں یہی بیان کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ شکم مادر میں معمول سے زیادہ رہے۔ اس مدت کو بعض نے دو سال بیان کیا ہے اور بعض نے تین سال کہا ہے۔ آپ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دراز قد، موٹا بدن، سفید رنگ، مائل بہ زردی، کشادہ چشم خوبصورت ناک بلند رکھتے تھے۔ ان کی پیشانی میں سر کے بال کمی کے ساتھ تھے، ایسے شخص کو عربی میں اصلع کہتے ہیں)۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اصلع تھے۔ ڈاڑھی گنجان اور اس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہنچی تھی اور مونچھوں کے ان بالوں کو جو لبوں کے کنارہ پر ہوتے تھے کترواتے تھے اور منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ: "مونچھ کا منڈوانا مثلہ میں داخل ہے" اور مونچھ بھی آپ کی وافر تھی اور اس میں جناب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ:

"اِنَّهٗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَفْتِلُ سُبَالَتَهٗ اِذَا اَهَمَّهٗ اَمْرٌ."

[1] مقدمۂ اوجز، الباب الثانی، الفصل الاول

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی عظیم امر پیش آتا تو اپنی مونچھ کو پیچ دیا کرتے تھے۔[1]

واقدی نے بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ۹۰ سال کی عمر ہوئی ہے، لیکن آپ نے ڈاڑھی کا کبھی خضاب نہیں کیا اور نہ حمام میں تشریف لے گئے۔ (قدیم زمانہ میں مستقل عمارت ہوتی تھی جہاں گرم پانی سے غسل کا نظم ہوتا تھا اور خدام بدن کی مالش وغیرہ کے لئے مقرر ہوتے تھے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ خوش پوشاک تھے، عدن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ (عدن یمن کا ایک شہر ہے اور وہاں کے کپڑے نفیس اور بیش قیمت ہوتے تھے) علاوہ ازیں خراسان اور مصر کے اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ آپ کا لباس اکثر سفید ہوتا تھا اور اکثر عطر لگایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ثروت یعنی مال و دولت عطا کی ہو اور اس کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو تو میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا ہوں، کیونکہ اس نے حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو چھپا کر کفران نعمت کیا ہے۔"

اشہب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ عمامہ باندھتے تھے تو اس کا ایک پلہ تھوڑی کے نیچے کر کے سر پر باندھتے تھے اور اس کی ایک جانب کو (جس کو اس ملک کے رواج کے مطابق شملہ اور اہل عرب عذبہ کہتے ہیں) دونوں شانوں کے درمیان ڈالتے تھے۔

عذر اور بیماری کے سوا سرمہ لگانے کو مکروہ خیال فرماتے تھے۔ آپ جب کبھی کسی ضرورت سے سرمہ لگاتے تھے تو باہر تشریف نہ لاتے تھے بلکہ گھر ہی میں بیٹھے رہتے تھے۔

[1] "بستان المحدثین" اردو ص ۱۳۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی انگشتری چاندی کی تھی، اس میں سیاہ رنگ کا نگینہ جڑا ہوا تھا اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اس پر کندہ تھا۔ مطرف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں میں سے ہیں انگشتری پر اس آیت کو کندہ کرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ کلام مجید میں مؤمنین کے حق میں فرماتے ہیں ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ پس اس وجہ سے میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آیت کا مضمون میرا نصب العین رہے اور ہر وقت میرے پیش نظر رہ کر میرے دل پر یہ نقش ہوجائے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کے دروازے پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا "مَاشَآءَ اللّٰهُ"، اس کا سبب بھی کسی سائل نے دریافت کیا تو فرمایا کہ: حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ﴾ اور میری جنت میرا مکان ہے پس یہ چاہتا ہوں کہ جب گھر میں آؤں تو یہ کلمہ مجھ کو یاد آ کر میری زبان پر جاری ہوجائے۔

مدینہ منورہ میں جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان تھا، جو جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ مسجد نبوی میں آپ کی نشست اس جگہ تھی جہاں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھتے تھے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: میں نے تمام عمر کسی بیوقوف یا کوتاہ عقل والے کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: یہ ایک ایسی بڑی بات ہے جو سوائے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی کو میسر نہیں ہوئی، علماء کے زمرہ میں اس سے بہتر اور کوئی فضیلت نہیں ہوتی، اس لئے کہ بیوقوفوں کی صحبت نورِ علم کو تاریک کردیتی ہے اور تحقیق کی بلند چوٹی سے گرا کر تقلید کی پستی میں ڈال دیتی ہے، جس کی وجہ سے علم کی نفاست میں ایک گونہ خرابی اور نقصان آجاتا ہے۔

چونکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کھانا پینا خلوت میں رکھتے تھے اس وجہ سے کسی نے آپ کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ باوجود وقار اور خودداری کے اپنے اہل وعیال اور نوکر چاکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور اس معاملہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی فرماتے تھے۔

علم طلب کرنے کی غرض اور خواہش بہت تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ کے پاس ظاہری سرمایہ کچھ زیادہ نہیں تھا، مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کرکے کتب وغیرہ کے صرف میں خرچ فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد دولت کا دروازہ ان پر کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہوگئیں۔

آپ کا حافظہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، یہ فرمایا کرتے تھے جس چیز کو میں نے محفوظ کرلیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے مجلسِ افادۂ تعلیم کی ابتدا فرمائی تھی۔

لوگ یہ نقل کرتے ہیں کہ اسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک نیک عورت کی وفات ہوئی، جب غسل دینے والی عورت نے اس کو غسل دیا تو اس نیک بخت مردہ عورت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا کہ یہ فرج کتنی زنا کار تھی، فوراً اس کا ہاتھ فرج پر ایسا چسپاں ہوا کہ اس کے جدا کرنے کی سب نے کوشش وتدبیر کی، مگر فرج سے اس کا ہاتھ جدا نہ ہوا، انجام کار اس مشکل کو علماء اور فقہاء میں پیش کرکے اس کا علاج اور تدبیر دریافت کی، سب کے سب اس سے عاجز ہوئے، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کی حقیقت کو اپنے ذہن رسا اور کامل فہم سے دریافت کرکے یہ فرمایا کہ: اس غسل دینے والی کو حدِّ قذف (یعنی وہ سزا جو شریعت نے زنا کی تہمت لگانے والے کے لئے مقرر کی ہے) لگائی جائے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق جب اس کے اسّی (۸۰) درّے لگائے تو ہاتھ فرج سے فوراً جدا ہوگیا۔ سب کے دلوں میں امام

صاحب کی ریاست وامامت اسی دن سے راسخ طور سے جاگزیں ہوگئی۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس ایسی ہیبت اور وقار کی ہوتی تھی کہ اس میں شور وشغب ہونا تو درکنار کسی شخص کو بلند آواز سے گفتگو کرنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی تھی۔

استاذ سے سند حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: اوّل یہ کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنتے رہیں، دوسرا یہ کہ شاگرد پڑھے، استاذ اس کو سنتے رہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی دوسرا طریقہ مروج تھا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اہل عراق نے قرأت علی الشیخ کے طریق کو ترک کردیا تھا اور حدیث حاصل کرنے کے طریق کو پہلی صورت پر منحصر خیال کرتے تھے اور شیخ ہی سے سماع طلب کرتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور نیز دوسرے حجاز ومدینہ کے عالموں نے اس وہم کو دفع کرنے کی غرض سے اسی طریق کو اختیار فرمایا تھا، ورنہ قدیم محدثین کے یہاں بھی یہی طریق مروّج تھا کہ شیخ اپنے شاگردوں کو خود پڑھ کر سنایا کرتے تھے، اس طریق کو محدثین کی اصطلاح میں "قِرَاءَۃُ الشَّیْخِ عَلَی التِّلْمِیْذِ" کہتے ہیں۔

یحییٰ بن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام صاحب کے منجملہ شاگردوں کے ایک شاگرد ہیں اور اصحابِ مؤطا میں سے ایک ہیں، چودہ دفعہ کتاب مؤطا کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قرأت سے سنا ہے۔

ابن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص احباب میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت ادب فرماتے تھے اور کمالِ ادب کی وجہ سے اس قدر احتیاط تھی کہ بوقت افادۂ حدیث اس مجلس میں کبھی زانو کو بھی نہیں بدلتے تھے، بلکہ جس ہیئت اور حالت کے ساتھ اول بیٹھتے تھے آخر تک وہی ایک حالت رہتی تھی۔

تمام عمر مدینہ کے حرم میں آپ نے قضائے حاجت نہیں کی بلکہ ہمیشہ حرم سے

باہر تشریف لے جاتے تھے، البتہ حالتِ مرض میں مجبوری کی وجہ سے معذور تھے۔

جب حدیث شریف سنانے کے لئے بیٹھتے تھے تو آپ کے لئے ایک چوکی بچھائی جاتی تھی اور آپ عمدہ کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر حجرہ سے باہر نہایت عجز وانکسار کے ساتھ آکر اس پر بیٹھ کر حدیث سنتے تھے اور جب تک اس مجلس میں حدیث کا ذکر رہتا تھا مجمر یعنی انگیٹھی میں عود (لوبان) ڈالتے رہتے تھے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور حدیث، فقہ، تفسیر اور قرأت کے بڑے امام ہیں اور علماء کے طبقہ میں ایسے مشہور ہیں کہ ان کی شہرت، تعریف وتوصیف سے بالکل مستغنی کرتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ روایت حدیث فرما رہے تھے، ایک بچھو نے نیش زنی کرنی شروع کی تو شاید دس مرتبہ آپ کو کاٹا۔ اس تکلیف کی وجہ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ کچھ متغیر ہوکر مائل بہ زردی ہوجاتا، مگر امام صاحب نے حدیث کو قطع نہیں فرمایا اور نہ کچھ لغزش آپ کے کلام میں ظاہر ہوئی۔

جب مجلس حدیث ختم ہوئی اور سب آدمی چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ آج آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر محسوس ہوتا تھا؟ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تمہارا خیال صحیح ہے اور پھر تمام واقعہ ان سے بیان کرکے فرمایا:

"میرا اس قدر صبر کرنا اپنی طاقت کی بنا پر نہ تھا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔"

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روز امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں آئے تو مجلس کی عظمت وجلال اور اس کی شان وشوکت کے ساتھ انوار کی کثرت اور برکتوں کو دیکھ کر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا

يَأْبَى الْجَوَابَ فَلَا يُرَاجَعُ هَيْبَةً — وَالسَّائِلُوْنَ نَوَاكِسُ الْأَذْقَانِ
اَدَبُ الْوَقَارِ وَعِزُّسُلْطَانِ التُّقٰى — فَهُوَ الْمُطَاعُ وَلَيْسَ ذَاسُلْطَانِ

ترجمہ: ”(اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ) جواب دینا چھوڑ دیں تو سب سائل اپنا سر نیچا کئے بیٹھے رہیں اور آپ کی ہیبت سے دوبارہ نہ پوچھ سکیں۔

وقار آپ کا ادب کرتا تھا اور آپ پرہیزگاری کی بادشاہت پر عزت کے ساتھ متمکن تھے (عجیب بات یہ تھی کہ) آپ کی اطاعت کی جاتی تھی حالانکہ آپ بادشاہ نہ تھے۔“

بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ جو ایک مشہور صوفی اور باخدا آدمی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں اور زینتوں میں سے کسی شخص کا ”حدّثنا مالك“ کہنا بھی ایک بڑی نعمت ہے، یعنی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان وشوکت اس درجہ پہنچ گئی ہے کہ شاگرد اس کو دنیاوی مفاخر سے شمار کرتا ہے، حالانکہ وہ آخرت کا وسیلہ اور امور دین کا ذریعہ ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر اس شعر کو پڑھا کرتے تھے ؎

وَخَيْرُ أُمُوْرِ الدِّيْنِ مَا كَانَ سُنَّةً — وَشَرُّ الْأُمُوْرِ الْمُحْدَثَاتُ الْبَدَائِعُ

ترجمہ: ”دین کا بہتر کام وہ ہے جو طریقۂ رسول کے مطابق ہو اور بد ترین کام وہ ہے جو سنت کے خلاف نئی نئی بدعتیں اپنی طرف سے تراش لی ہوں۔“

یہ شعر حکمت سے پر ہے، کیونکہ شاعر نے ایک حدیث نبوی کے مضمون کو نظم کیا ہے۔[1]

منجملہ اور کلاموں کے ایک کلام امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ہدایت آمیز

[1] مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة.

ہے:

”لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ إِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَضَعُهُ اللّٰهُ فِي الْقَلْبِ“

یعنی کثرت سے روایت کرنے کا نام علم نہیں ہے وہ تو ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔ یہ کلمہ ایک گہری تحقیق رکھتا ہے جس کو اہل بصیرت خوب جانتے ہیں۔

ایک روز آپ سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ:

”مَا تَقُوْلُ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ“؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”حَسَنٌ جَمِيْلٌ لٰكِنِ انْظُرْ مَا يُلْزِمُكَ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ اِلٰى أَنْ تُمْسِيَ فَالْزِمْهُ“

طلب علم اچھی چیز ہے مگر انسان کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ صبح سے شام تک جو امور اس پر واجب ہیں ان کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرے۔ آپ کا یہ قول بھی گہری نظروں سے دیکھنے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”لَا يَنْبَغِيْ لِلْعَالِمِ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَّا يُطِيْقُهُ فَإِنَّهُ ذُلٌّ وَاِهَانَةٌ لِّلْعِلْمِ“

یعنی عالم کو یہ لائق نہیں کہ وہ علمی مسائل کو ایسے شخص کے سامنے بیان کرے جو اس کا اہل نہیں ہے، کیونکہ اس میں علم کی اہانت اور ذلت ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

”أَنَا اَسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ أَنْ اَطَأَ تُرْبَةً فِيْهَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَافِرِ دَابَّةٍ“

سواری کے سم سے ایسی سرزمین کے روندنے میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہو مجھ کو شرم آتی ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "موطا" کو تالیف کرنا شروع فرمایا تو دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرز پر لکھنا شروع کیا، اس پر بعض لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف گوارا فرماتے ہیں؟ دوسرے اشخاص بھی آپ کے شریک ہوکر اسی طرح کی "موطا" تصنیف کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو دکھلاؤ!

چنانچہ آپ کے ارشاد کے موافق جب وہ تصانیف لائی گئیں تو آپ نے ان کو ملاحظہ فرما کر یہ فرمایا کہ: عنقریب یہ معلوم ہوجائے گا کہ صرف خدا کے لئے کون سا امر واقع ہوا ہے اور درحقیقت اب ان کی تصنیفات کا سوائے "موطا ابن ابی ذئب" کے نام ونشان بھی معلوم نہیں ہوتا، ہاں "موطا امام مالک" قیامت تک مخلوقات کی مخدوم اور علماء اسلام کا سرمایہ رہے گی۔

حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب "حلیۃ الاولیاء" میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے سندِ صحیح کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ سہل بن مزاحم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے وقت کے عابدوں میں اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ جو مرو کے رہنے والے ہیں ان کے دوستوں میں سے تھے، یہ بیان کیا ہے کہ میں نے ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت آپ کا خیر وبرکت والا زمانہ تو گذر گیا ہے، اگر ہمارے دل میں دینی کاموں میں کوئی شک وشبہ واقع ہو تو کس شخص سے تحقیق کریں؟ ہم کو ان کا پتہ ونشان بتلا دیجیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو جو مشکل پیش آئے اس کو مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرو۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کردیتے تھے۔

وہب بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مشرق ومغرب کے درمیان حدیثِ نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے لیکن عالم مدینہ سے بڑھ کر عالم انہیں کہیں میسر نہیں آئے گا۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔

خلف بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک پرچہ دیا، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ چلنے لگا فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کے نیچے بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کردیں گے اس لئے مالک کے پاس جاؤ۔ لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے بتاؤ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں؟ کسی نے یہ جواب دیا جس بات کا امام مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے، اس خواب سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر گریہ طاری ہوگیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص آیا اور بولا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے

آیا ہوں، فرمایا کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا، آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں، وہ حیران ہو کر بولا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں؟ فرمایا کہہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔

آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ گھر میں کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: تلاوت قرآن۔

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمر سے ہوں وہ اسناد سب صحیح ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ لیث، ابن مبارک، امام شافعی، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے مشاہیر آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے اگر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وحضرت سفیان رحمہ اللہ تعالیٰ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔

ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جس طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں جمع ہوگئی ہیں میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں:

۱ ...... اتنی دراز عمر اور ایسی عالی سند۔

۲ ...... ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم۔

۳ ...... آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق۔

۴ ...... آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دین داری پر محدثین کا اتفاق۔

۵ ...... فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلم مہارت۔

عتیق زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں اپنی ''مؤطا'' کو دس ہزار احادیث پر مشتمل فرمایا تھا، اس میں آہستہ آہستہ انتخاب فرماتے رہے آخر اس حد تک پہنچا اور جب تک امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ زندہ رہے

''مؤطا'' کو مسودہ کرتے رہے، اس وجہ سے اس میں نسخ بہت زیادہ ہوا ہے اور ہر نسخہ کی ترتیب علیحدہ ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگردوں نے اپنی اپنی استعداد کے لائق ترتیب دے کر رائج کیا ہے اور حدیثوں میں بھی فی الجملہ تھوڑا سا تفاوت ہے۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو محدثین کے رأس رئیس ہیں، یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا کر بیان کرے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو میری زوجہ پر طلاق جو کچھ ''مؤطا'' میں ہے وہ بلا شک وشبہ صحیح ہے تو وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا، یعنی اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی اور اس قدر وثوق واعتماد دوسری کتاب پر نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے زمانہ میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے ''مؤطا'' کو سن کر جمع کیا ہے، چنانچہ اس کے نسخے بہت ہیں اور لوگوں کے ہر طبقہ فقہاء، محدثین، صوفیاء، امراء اور خلفاء نے تبرکاً اس عالی مقام امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی سند حاصل کی۔

آج کل ملک عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جس کا سب سے زیادہ رواج اور جو سب سے زیادہ مشہور ہے اور طائفہ علماء کا مخدوم بھی یہی نسخہ ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نسخہ ہے، چنانچہ جب بھی مطلق یعنی بلا کسی قید کے ''مؤطا'' کہا جاتا ہے تو فوراً اسی کی طرف ذہن جاتا ہے اور اسی پر منطبق وچسپاں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ جعفر ابن سلیمان سے کسی نے شکایت کردی کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی امارت کے مخالف ہیں اس نے آپ کو ستر کوڑے لگانے کا حکم دیا، اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھتی گئی، گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے۔ منصور جب مدینہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر

فرمایا میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کرچکا ہوں۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی غرض کے موافق نہیں دیا تھا۔

ائمۂ اربعہ میں صرف آپ ایک ہیں جن کی تصنیف فن حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے، بقیہ جو تصانیف دوسرے ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں، حتیٰ کہ ''مسند احمد'' بھی، گو اس کی تسوید خود امام موصوف نے کی ہے مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے۔

قعنبی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کرکے بیٹھ گیا، دیکھا تو امام رو رہے تھے۔ میں نے سبب دریافت کیا؟ تو فرمایا کیسے نہ روؤں! مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہوسکتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہے ہر مسئلہ کے بدلہ میرے ایک کوڑا مارا جائے۔ کاش میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا۔ مجھے گنجائش تھی کہ اس کے جوجوابات مجھ سے پہلے دیئے جاچکے تھے ان ہی پر سکوت کرلیتا۔

ماہِ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور جس تمنا میں عمر گذری تھی آخر وہ آرزو پوری ہوئی، یعنی دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکِ پاک نے ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ سرزمینِ مدینہ ہی میں آسودۂ خواب ہیں۔

نسخِ مؤطا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ''مؤطا'' کے مشہور نسخے بیس ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ تیس ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''بُسْتَانُ الْمُحَدِّثِیْنَ'' میں لکھا ہے کہ آج کل عرب میں ''مؤطا'' کے سولہ نسخے

پائے جاتے ہیں اور ہر نسخہ ایک خاص راوی سے مروی ہے۔ ابو القاسم بن محمد بن حسین شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے گیارہ ''مؤطائیں'' مروی ہیں اور سب کی سب قریب المعنیٰ ہیں، البتہ ان میں چار مروّج تھیں۔ پہلا نسخہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا، دوسرا ابن بکیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا، تیسرا ابومصعب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، اور چوتھا ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کا، پھر بعد میں ابو مصعب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن وہب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نسخوں کا رواج کم ہوگیا، ان نسخوں میں احادیث کی کمی زیادتی ہے اور تقدیم وتاخیر بھی ہے۔ سب سے زیادہ احادیث نسخۂ ابومصعب میں ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس ''مؤطا'' میں دیگر ''مؤطاؤں'' سے سینکڑوں احادیث زائد ہیں۔[1]

تذکرۂ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اُندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ

ابومحمد یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وَسلاس بن شَملل بن مَنقایا۔ ان کی نسبت مصمودی ہے اور صاوی بھی کہتے ہیں، یعنی نسبت بسوئے صاد جو مصمودہ بربر کا ایک قبیلہ ہے۔ ان کے اجداد میں سے منقایا پہلے شخص ہیں جو یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور اسی وجہ سے ان کی نسبت ولاء اسلامی کے سبب لیثی ہے۔

منقایا کی اولاد میں پہلا شخص جس نے اندلس آکر سکونت اختیار کی تھی کثیر ہے۔ بعض کہتے ہیں یحییٰ بن وسلاس ہے، جو طارق کے لشکر میں آیا تھا اور وسلاس بھی یزید بن عامر کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ''کتاب الاعتکاف'' کے آخر کے چند ابواب کی سماعت نہیں فرمائی اور وہ ابواب یہ ہیں: بَابُ خُرُوْجِ الْمُعْتَكِفِ لِلْعِيْدِ، بَابُ قَضَآءِ الإِعْتِكَافِ، بَابُ

---

[1] ''بستان المحدثین'' از ص ۱۱ تا ۲۲.

النِّكَاحِ فِي الاِعْتِكَافِ، چونکہ ان تینوں بابوں کی سماعت میں ان کو کچھ شبہ ہے، اس لئے ان کو زیاد بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرنے سے قبل اپنے شہر قرطبہ میں زیاد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوری ''موطا'' کی سند حاصل کی تھی، اس کے بعد ان کو طلب علم کا شوق دامنگیر ہوا، چنانچہ بیس برس کی عمر میں مشرق کی طرف سفر اختیار کیا اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''موطا'' کو سنا۔ ۱۷۹ھ میں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا سال ہے، ان کی ملاقات امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود تھے۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجہیز وتکفین کی خدمت ان کو نصیب ہوئی۔ اندلس میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ کمالِ علمی کا مشار الیہ انہی کو خیال کیا جاتا تھا۔ استفتاء کا انحصار ان پر سمجھا جاتا تھا۔ ان سے پہلے اس دیار کے لوگ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سے فتویٰ دریافت کرتے تھے، یہ بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے شاگردوں میں تھے۔ انہی دو شخصوں کے سبب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اندلس میں پھیل گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کو عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ پر عقل ودانش میں برتری حاصل تھی، چنانچہ ابن لبابہ نے یہ شعر کہا ہے۔

فَقِيْهُ الْأَنْدُلُسِ عِيْسَى بْنُ دِيْنَارٍ وَعَالِمُهَا ابْنُ حَبِيْبٍ وَعَاقِلُهَا يَحْيٰ

تَرجَمَۃ: ''یعنی اندلس کے فقیہ عیسیٰ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ تھے، اور عالم ابن حبیب اور عاقل یحییٰ تھے۔''

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو عاقل کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا، چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیوضات کا استفادہ فرما رہے تھے، ان کے علاوہ اور اشخاص بھی امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فیض یاب ہورہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی

کے آنے کا شور وغل ہوا، چونکہ ملک عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا تھا اور اسی وجہ سے بعض عرب کے رہنے والے ہاتھی کے دیکھنے کو فخریہ بیان کرکے مبارک بادی کے خواستگار ہوتے ہیں، جیسا کہ ابو الشمقمق کے ان دو شعروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

يَاقَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْفِيْلَ بَعْدَكُمُ فَبَارَكَ اللّٰهُ فِيْ رُؤْيَةِ الْفِيْلِ

رَأَيْتُهُ وَلَهُ شَيْءٌ يُّحَرِّكُهُ فَكِدْتُ اَضَعُ شَيْئًا فِي السَّرَاوِيْلِ

اسی واسطے حاضرین کی جماعت کے اکثر افراد امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت کو ترک کرکے ہاتھی کا تماشہ دیکھنے کو دوڑ پڑے، مگر یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی ہیئت وحالت کے ساتھ بیٹھے ہوئے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے اور نہ کسی قسم کا اضطراب پیش آیا نہ کوئی حرکت بے ساختہ ان سے ظاہر ہوئی۔ امام رحمہ اللہ تعالیٰ اسی وقت سے عاقل کے خطاب سے ان کو مخاطب فرماتے تھے۔

ابن بشکوال نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات تھے اور وضع، لباس اور ہیئتِ ظاہری اور نشست وبرخواست میں بھی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتباع فرماتے تھے۔ جو کچھ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا تھا اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ہرگز امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کو پسند نہیں فرماتے تھے، حالانکہ اس وقت لوگوں میں ایک مذہب کی تقلید راسخ نہیں ہوئی تھی نہ عوام میں نہ خواص میں۔

یحییٰ بن یحییٰ نے ہر مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب واتباع کو اختیار کیا ہے، مگر چار مسئلوں میں لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار فرمایا ہے:

اول یہ کہ: صبح کی نماز اور نیز دیگر نمازوں میں قنوت پڑھنے کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

دوسرے یہ کہ: صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کو روا نہیں رکھتے تھے۔

تیسرے یہ کہ: نزاع زوجین کی صورت میں حکم مقرر کرنے کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ: کاشت کی زمین کا کرایہ اس کے محصول سے لینا جائز جانتے تھے۔

اس ملک کے لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمالِ عقیدت رکھنے کی وجہ سے اس قلیل مخالفت میں بھی ان کی گرفت کرتے تھے، اور ان مسائل میں ان کے پیرو نہ تھے۔

یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ماہ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ ان کی عمر بیاسی برس کی تھی۔ قرطبہ میں ان کی قبر ہے۔ خشک سالی میں ان کے طفیل سے لوگ بارش اور برکت طلب کرتے تھے۔[1]

زیاد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نسب یہ ہے زیاد بن عبد الرحمٰن بن زیاد لخمی اور شطون ان کا لقب ہے جس کے ساتھ وہ مشہور ہیں اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی ہیں اور بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے ہیں ان کی اولاد میں سے ہیں۔ زیاد بن عبد الرحمٰن پہلے شخص ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کو اندلس میں لائے اور استفادہ کی غرض سے دو مرتبہ سفر کر کے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

زُہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کے ممتاز اور مستثنیٰ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جب امیر ہشام نے جو قرطبہ کا رئیس تھا زیاد بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرطبہ کے عہدۂ قضا سے سرفراز کرنا چاہا اور اس عہدہ کے قبول کرنے پر انہیں مجبور کیا تو وہ تنگ ہو کر قرطبہ چھوڑ کر چلے گئے، اس وقت ہشام یہ کہتا تھا کہ کاش تمام لوگ اگر زیاد جیسے

[1] "بستان المحدثین" اردو، ص۲٤.

ہوتے تو عالم کے دل میں دنیا کی رغبت نہ رہتی۔ اس کے بعد ہشام نے ان کو امن دے کر یہ تسلی نامہ لکھا کہ میں پھر آپ کو اس امر کی تکلیف نہ دوں گا۔ زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ اس تسلی نامہ کو معلوم کر کے پھر اپنے مکان پر واپس آ گئے اور علم حدیث کے افادہ میں مشغول ہوئے۔

منقول ہے کہ اس ملک کے کسی بادشاہ نے زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا، جب زیاد نے اس کا جواب لکھ کر سر بمہر کر کے روانہ کیا تو حاضرینِ خدمت نے عرض کیا کہ اس بادشاہ نے آپ کو کیا لکھا اور آپ نے اس کا کیا جواب دیا؟ فرمایا:

اس بادشاہ نے خط میں یہ سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن میزان عدل کے دونوں پلے کس چیز کے ہوں گے چاندی کے یا سونے کے؟ میں نے جواب میں یہ حدیث لکھ دی:

"مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ"

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کا جو سال ہے وہی زیاد بن عبد الرحمٰن کی وفات کا ہے اور یہ ۲۰۴ھ ہے۔[1]

مؤطا کی وجہ تسمیہ

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ "مؤطا مالک" کا نام "مؤطا" کیوں رکھا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے) "شَيْءٌ صَنَعَهٗ وَ وَطَّأَهٗ لِلنَّاسِ" ایک چیز تیار کر کے لوگوں کے لئے ہموار کر دی اس لئے اس کا نام "مؤطا مالک" ہو گیا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی یہ کتاب فقہاء مدینہ

[1] "بستان المحدثین" اردو، ص۲۹.

میں سے ستّر فقہاء کے سامنے پیش کی ان میں سے ہر ایک نے اس میں میری موافقت کی "فَكُلُّهُمْ وَاطَأَنِيْ عَلَيْهِ" اس لئے میں نے اس کا نام "موَطا" رکھا۔

ابن فہر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ نام پہلے پہل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے ایجاد فرمایا اس لئے کہ آپ کے زمانہ میں جنہوں نے تصنیف فرمائی کسی نے "الجامع" نام رکھا، کسی نے "المؤلف" کسی نے "المصنف."

وَطِأَ يَطَأُ (روندنا) وَطَّأَ (تفعیل) تیار کرنا، آسان کرنا، ہموار کرنا، وَاطَأَ يُوَاطِئُ (موافقت کرنا)[1]

موَطا کے ایک مبہم راوی کی تعیین

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: قَالَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ الثِّقَةِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْأَشْبَحِ، فَالثِّقَةُ مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، وَقَالَ النِّسَائِيُّ: اَلَّذِيْ يَقُوْلُ مَالِكٌ فِيْ كِتَابِهِ الثِّقَةُ عَنْ بُكَيْرٍ يُشْبِهُ اَنْ يَّكُوْنَ عَمْرَو بْنَ الْحَارِثِ، وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: اِذَا قَالَ عَنِ الثِّقَةِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فَهُوَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، وَقِيْلَ الزُّهْرِيُّ، وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: كُلُّ مَاكَانَ فِيْ كِتَابِ مَالِكٍ اَخْبَرَنِيْ مَنْ لَّا اَتَّهِمُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ: إِذَا قَالَ عَنِ الثِّقَةِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فَقِيْلَ هُوَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ اَوْ اِبْنُ لُهَيْعَةَ، وَعَنِ الثِّقَةِ عَنْ بُكَيْرٍ قِيْلَ هُوَ مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، وَعَنِ الثِّقَةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هُوَ نَافِعٌ.[2]

[1] مقدمہ اوجز، ص۲۱، الفائدة الثانية فی وجه التسمية بالموطا.

[2] مقدمہ اوجز مصری ص ۳۵

تذکرۂ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کی کنیت ابوعبداللہ، اسم مبارک محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع ہے۔ آپ نسباً قریشی ہیں۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبد مناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

بیت المقدس سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر غزہ یا عسقلان میں ۱۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دو سال کی عمر میں آپ کے والدین آپ کو مکہ لے آئے تھے۔ نہایت تنگدستی میں آپ کی پرورش ہوئی، یہاں تک کہ علمی یادداشتوں کے لکھنے کے لئے جب آپ کو کاغذ بھی میسر نہ آیا تو جانوروں کی ہڈیوں پر لکھ لیتے۔

آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ شعر، تاریخ، ادب وغیرہ کی تحصیل میں گذرا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ میں تھا کہ پشت کی جانب سے مجھے ایک آواز آئی "عَلَيْكَ بِالْفِقْهِ" (فقہ سیکھ) اسبابِ ظاہر میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مسلم بن خالد زنجی رحمہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ:

صاحبزادہ کس ملک کے باشندہ ہو؟

میں نے کہا مکہ مکرمہ کا،

فرمایا: مکان کس محلّہ میں ہے؟

میں نے کہا خیف میں،

[1] امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "سیر اعلام النبلاء" ۵/۱۰. "تهذيب النووی" ۴۵/۱. "ابن خلكان" ۱۶۳/٤ و ۱۶۹. "تذكرة الحفاظ" ۳۶۱/۱. "حلية الاولياء" ۶۳/۹ و ۱۶۱. "الانساب السمعانی" ۲۵۱/۷. "الكامل فی التاريخ" ۳۰۹/۶. "تهذيب الاكمال" ۳۵۵/۲٤ . "التقريب" ۱٤۳/۲. "تاريخ البخاری الكبير" ۷۳/۱.

پھر پوچھا کس قبیلہ کے ہو:

میں نے کہا عبد مناف کی اولاد،

فرمایا: بہت خوب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہاں کا شرف بخشا ہے، اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم وذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے۔ یہ سن کر آپ نے ان کی شاگردی قبول کی، ان کے بعد پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ ''موطا'' حفظ کر چکے تھے اور آپ کی عمر کل ۱۳ر سال کی تھی ''موطا'' میں شریک ہوگئے، جب قرأت کا وقت آیا تو آپ نے برزبان قرأت شروع کی، اس پر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوا اور آپ کی قرأت کو بہت پسند فرمایا، جب یہ ختم کرنے کا ارادہ کرنے لگے تو فرمایا: اور پڑھو! اور پڑھو! امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ:

''تم تقویٰ اپنا شعار رکھنا، ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہوگے۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت رکھا ہے، معصیت کر کے اسے ضائع نہ کرنا۔''

اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے شیخ مسلم بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دیدی تھی۔

حدیث وتفسیر، فقہ وادب وعربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ آپ بڑے تیر انداز بھی تھے، دس میں ایک تیر بھی خطا نہ ہوتا تھا۔ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ ''مقدمۂ شرح مہذب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اصولِ فقہ میں ''الرسالۃ'' تصنیف فرمایا تھا۔ (اسی وجہ سے آپ کو اصولِ فقہ کا مؤسس کہتے ہیں)

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک

کردیتے تھے، کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی۔ عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔ آپ کی تصنیف ''كِتَابُ الْأُمِّ'' اور ''اَلرِّسَالَة'' دونوں طبع ہوکر آج امت کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

ان تمام فضائل کے باوجود نکتہ چینی سے آپ بھی خالی نہ رہے، حتیٰ کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے شخص سے آپ کے متعلق ایسے کلمات منقول ہیں جن کو دیکھ کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا پڑا:

''وَمِنْ أَيْنَ يَعْرِفُ يَحْيٰ الشَّافِعِيَّ وَمَنْ جَهَلَ شَيْئًا عَادَاهُ''

بھلا یحییٰ بن معین امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کیا جانیں اور جو شخص کسی کو جانتا نہیں وہ اس سے خفا ہی رہتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ میں کلام کرتے تھے، یہاں تک کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہاری ان دو آنکھوں نے بھی اس جیسا شخص نہ دیکھا ہوگا۔

تمام علم وفضل کے ساتھ سخی اس درجہ کے تھے کہ حمیدی ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپ صنعاء سے تشریف لائے تھے اس وقت آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے، آپ کا خیمہ مکہ مکرمہ سے باہر لگا ہوا تھا، لوگ ملاقات کے لئے آتے تھے اور آپ ان کو دینار تقسیم کرتے، یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے آپ نے وہ تمام رقم لوگوں پر تقسیم کرڈالی۔

وہ احادیث مرفوعہ جن کو خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شاگردوں کے روبرو سند سے بیان فرمایا کرتے تھے اور روایت کیا کرتے تھے اور ان حدیثوں میں سے جو حدیثیں ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ربیع بن سلیمان مرادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سن کر ''کتاب الام'' اور ''مبسوط'' کے ضمن میں جمع کی تھیں ان کو

الگ جمع کرکے "مسند شافعی" نام رکھ دیا گیا۔

ابنِ خلکان، ربیع بن سلیمان مرادی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے وفات کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھا کر میرے اوپر تازہ بتازہ موتیوں کی بکھیر کی۔

۱۹۵ھ میں بغداد گئے تھے، دو سال وہاں قیام فرمایا، پھر مکہ مکرمہ آئے، ۱۹۸ھ میں پھر بغداد تشریف لے گئے، چند ماہ قیام فرما کر ۱۹۹ھ میں مصر آئے، پھر وفات ۲۰۴ھ تک یہیں رہے۔ جمعہ کے دن انتقال ہوا اور بعد عصر مدفون ہوئے۔ قبر مبارک قرافہ صغریٰ میں مخلوق خدا کے لئے زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

تذکرۂ امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہیں ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات بھی ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک باب حرب میں واقع ہے، یہ جگہ حرب بن عبداللہ کی طرف منسوب ہے۔

عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ آپ عرب کے مشہور خاندان بنی ذہل بن شیبان بن ثعلبہ سے متعلق تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں یہ عباس دوری کی غلطی ہے، آپ کا خاندان بنی شیبان بن ذہل بن ثعلبہ تھا۔ یہ ذہل بن ثعلبہ رشتہ میں شیبان کا چچا ہے۔

آپ کے دو بیٹے تھے: صالح اور عبداللہ، اسی دوسرے بیٹے کے نام پر ابوعبداللہ آپ کی کنیت تھی۔ آپ نہایت خوبصورت تھے، قد میانہ تھا، ہلکا سرخ خضاب لگاتے تھے، ریش مبارک میں کچھ بال سیاہ تھے، سفید رنگ کے موٹے کپڑے پہنتے تھے، آپ کا عام لباس ازار اور عمامہ تھا۔

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام تھے۔ قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور اسحٰق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو امام الدنیا کہا کرتا تھے۔ اسحٰق بن ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: امام احمد اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی حجت ہیں۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعہ عزت

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "تاریخ بغداد" ٤/٤١٢. "حلیة الاولیاء" ٩/١٦١ و ٢٣٣. "تهذیب الاسماء واللغات" ١/١١٠ و١١٢. "وفیات الاعیان" ١/٦٣ و ٥٦. "تهذیب الکمال" ١/٤٣٧. "تذکرة الحفاظ" ٢/٤٣١. "طبقات الشافعیة الکبری" ٢/٢٧و ٣٧. "البدایة والنهایة" ١٠/٣٢٥ و ٣٤٣. "سیر اعلام انبلاء" ١/١٧٧.

نصیب فرمائی ہے تیسرا مجھے کوئی اور شخص معلوم نہیں ہے: پہلے ظہور ارتداد کے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے فتنۂ خلقِ قرآن کے زمانہ میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ اسماعیل خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ: اگر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے معجزوں میں ایک معجزہ شمار ہوتے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: طلب علم کے لئے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ، بصرہ، حرمین شریفین، یمن اور شام وغیرہ کا سفر کیا ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی، امام ابو یوسف، وکیع ابن الجراح، یحیٰ بن ابی زائدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کو آپ کے اساتذہ میں اور ائمۂ ستہ میں امام بخاری وامام مسلم و امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ کو تلامذہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: آپ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے، جب تک امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد میں رہے آپ ان کی خدمت سے کبھی جدا نہیں ہوئے، جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بغداد چھوڑ کر مصر جانے لگے تو چلتے وقت فرمایا میں نے بغداد میں ان جیسا متقی اور فقیہ کوئی اور نہیں چھوڑا۔

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مصر تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا میرا ایک خط امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچا دو اور اس کا جواب مجھے لادو! میں خط لے کر بغداد پہنچا، صبح کی نماز میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، جب محراب سے اٹھے تو میں نے خط پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خط ہے، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا تم نے اس کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد آپ نے مہر توڑی اور پڑھا، تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ خیر تو ہے فرمائیے کیا لکھا ہے؟ فرمایا لکھا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا، فرماتے تھے کہ:

"ابوعبداللہ کو میرا سلام کہدو اور کہدو اس کا امتحان ہوگا، اور خلق قرآن کے قائل ہونے پر اسے مجبور کیا جائے گا، وہ اس کو منظور نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں تا قیامت ان کا نام اور علم روشن رکھے گا۔"

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے ابوعبداللہ بشارت مبارک ہو، فوراً امام احمد نے اپنی قمیصوں میں سے نیچے والی قمیص جو جسم سے متصل تھی اتار کر مجھے انعام میں دیدی، میں اس کا جواب لے کر مصر آیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا، امام شافعی نے دریافت فرمایا بولو بشارت کے صلہ میں کیا انعام لائے ہو؟ میں نے کہا امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کرتا ہے، فرمایا یہ تکلیف تو میں تجھے نہیں دے سکتا کہ وہ قمیص ہی مجھے دیدے، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اسے پانی میں بھگو کر نچوڑ اور وہ پانی مجھے دیدے تاکہ میں اسی کو تبرک رکھوں۔

اس واقعہ سے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی منقبت کے علاوہ یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پہلے محدثین وعلماء کے درمیان کیسے تعلقات ہوئے ہیں، ان کا جو اختلاف تھا وہ صرف اللہ کے نام پر تھا۔ اس امتحان کی تفصیلی روئیداد شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "طبقاتِ شافعیہ" میں بیان کی ہے۔

قتیبہ بن سعید امام احمد اور وکیع رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان کے ایک مذاکرہ کا حال نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ دروازہ کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہوئے اور سلمہ سے سفیان کی جو روایات ہیں ان کا تذکرہ ہونے لگا، دونوں آپس میں ایسے محو ہوئے کہ تمام رات یونہی کھڑے کھڑے کٹ گئی اور کسی کو خبر نہ ہوئی، جب صبح ہونے لگی تو آپ کی باندی حاضر ہوئی اور کہا کہ زہرہ ستارہ نکل چکا ہے۔

آپ کی مشہور تصنیفات میں "مسند احمد" سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔ حنبل بن اسحٰق رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے بھتیجے کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے

کہا کہ یہ کتاب میں نے سات لاکھ سے زیادہ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کی ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک معیار بن جائے جو حدیث اس میں مل جائے اسے حجت سمجھا جائے اور جو نہ ملے اسے حجت سمجھا نہ جائے۔

ابو زرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد جب آپ کی کتابوں کا تخمینہ کیا گیا تو دس اونٹوں کے بوجھ سے زیادہ تھا اور وہ سب آپ کو زبانی حفظ تھیں۔

جمعہ کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ میں نمازیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ متوکل بادشاہ کے حکم سے جب نمازیوں کے قیام کی جگہ ناپی گئی تو پیمائش کے حساب سے دولاکھ پچاس ہزار آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی۔

ورکانی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا پڑوسی بیان کرتا ہے کہ: آپ کی وفات کے دن بیس ہزار یہود ونصاریٰ اور مجوس مسلمان ہوئے تھے، لیکن ذہبی نے اس حکایت کو تسلیم نہیں کیا اور منکر کہا ہے۔

احمد بن محمد کندی کہتے ہیں کہ: میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا پوچھا اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: بخش دیا اور مجھے کہا اے احمد! ہمارے ہی لئے تم نے کوڑے کھائے تھے، میں نے عرض کیا اے پروردگار! جی ہاں، ارشاد ہوا تو اے احمد میرا دیدار کر لے۔

اللہ تعالیٰ کے جن بندوں نے بھی اس کی راہ میں مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کے نامۂ اعمال میں وہی ان کا سب سے زیادہ وزنی عمل ثابت ہوئی ہیں۔

تذکرۂ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی (بوغ ایک گاؤں کا نام ہے جو ترمذ کے دیہات میں سے ہے اور اس سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے) ترمذی۔ ترمذ اس پرانے شہر کا نام ہے جو دریائے آمو (جس کو جیحون اور نہر بلخ بھی کہتے ہیں) کے کنارے پر واقع ہے۔ لفظ ماوراء النہر میں بھی بیشتر یہی نہر مراد لی گئی ہے۔ ترمذ تاء کے کسرہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سب سے مشہور شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بہت سے کلمات تعریف منقول ہیں۔ محدثین ان کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہتے ہیں۔ ان کے افتخار کے لئے یہ کافی ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ امام مسلم، امام ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

کوفہ، بصرہ، ری، خراسان اور حجاز میں طلب حدیث کے لئے سالہا سال سفر کرتے رہے۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شیخ کی روایت کے دو جز انہوں نے نقل کئے تھے، مگر اب تک ان کو پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا تھا، مکہ مکرمہ کے راستے میں

[1] امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "تهذيب الكمال في اسماء الرجال" ٣٥٠/٢٦. "سير اعلام النبلاء" ٢٧٠/١٣. "الكامل في التاريخ" ٤٦٠/٧. "وفيات الاعيان" ٢٧٨/٤. "ميزان الاعتدال": ٣ر الترجمه: ٨٠٣٥. "ثقات ابن حبان" ١٥٣/٩.

اتفاقاً ان سے ملاقات ہوگئی، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزاء کے قرآت کی درخواست پیش کی، شیخ نے قبول فرمایا اور کہا ان اجزاء کو نکال لو! میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تلاش کیا تو اتفاقاً وہ اجزاء ان کے ساتھ نہ تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت گھبرائے، لیکن اس وقت ان کی سمجھ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ آیا کہ دو اجزاء کے سادہ کاغذ ہاتھ میں لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہوجائیں۔ شیخ نے قرآت شروع کی اتفاقاً ان کی نظر کاغذات پر پڑگئی تو سادے نظر آئے، شیخ کو طیش آیا اور فرمایا کیا میرا مذاق بناتے ہو! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجبوراً جو واقعہ تھا صاف عرض کردیا اور کہا اگر چہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں، لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ شیخ نے فرمایا اچھا ذرا پڑھ کر سناؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہ تمام حدیثیں پڑھ کر سنادیں۔ شیخ بہت متعجب ہوئے، فرمایا یقین نہیں آتا کہ صرف میرے ایک بار پڑھنے سے یہ سب حدیثیں تم کو محفوظ ہوگئی ہوں گی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا اچھا امتحان کرلیجیئے! شیخ نے خاص اپنی چالیس حدیثیں اور پڑھیں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کو بھی اس صحت کے ساتھ سنادیا کہ کہیں ایک جگہ غلطی نہ ہوئی۔
اس واقعہ کے علاوہ ان کے حفظ کے اور بہت واقعات مشہور ہیں۔

"جامع ترمذی" ان کی بہت مشہور تصنیف ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ عراقیین اور حجازیین دونوں کے مسائل پر الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔ ہر باب کے تحت اگرچہ حدیث کا ذخیرہ تفصیلاً تو پیش نہیں کرتے، لیکن اس باب میں جتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں ان کی زیر نظر ہوتی ہیں سب کی طرف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام گنوا کر اشارات کرجاتے ہیں۔ رواۃ کی جرح وتعدیل، مشہور اسماء کی کنیتیں اور مشہور کنیتوں کے اسماء، سلف کا تعامل، ائمہ کے مسالک پر تقریباً ہر باب میں تنبیہ کرتے چلے جاتے

ہیں۔ اس لحاظ سے اگرچہ یہ کتاب اپنے حجم کے اعتبار سے مختصر ہے، لیکن فوائد کے لحاظ سے بہت بڑی کتاب ہے۔ "ترمذی" سے پہلے بھی گو حدیث کی ثلاثی قسم کا پتہ چلتا ہے، مگر حسن وصحیح کو ہر جگہ اتنا روشن کرنے والے یہی پہلے شخص ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی ایسی حدیث نہیں ہے، جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔

حفظ و اتقان، علم وفہم کے ساتھ بہت خدا ترس بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت ان پر اتنا غالب تھا کہ روتے روتے آخر کار ان کی بینائی جاتی رہی۔

ان کی کنیت ابو عیسیٰ تھی۔ "ابو داؤد" میں اس کنیت کی ممانعت منقول ہے۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات نقل کی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بستان المحدثین" میں عام شارحین کے علاوہ ایک جدید توجیہ کی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عیسیٰ تھی تو ان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم کو ابو عبداللہ کی کنیت کافی نظر نہیں آتی؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنیت سے پکارا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں اور بھول چوک اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں مبتلا ہیں، پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کنیت ابو عبداللہ ہی رکھی۔

"اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَنَّانِیْ" کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو عیسیٰ کہہ کر بلایا اور پکارا ہے نہ یہ کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تیری کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام کے یہ معنی ہیں کہ ابو عیسیٰ کی کنیت مکروہ ہے یہ کنیت نہ رکھنی چاہیئے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس کنیت کے ساتھ پکار لیا تو تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ

اسے اپنی کنیت قرار دیدو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صرف بیان جواز کے لئے ایک امر اولیٰ ترک فرما دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترک اولیٰ کراہیت سے پاک تھا۔ آپ کو یہ ضرورت بھی محض تبلیغ حکم کی وجہ سے پیش آئی اور "مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" الخ کے معنی بھی یہی ہیں۔

لہ بستان العارفین اردو ص ۱۸۷۔

تذکرۂ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ لہ

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحٰق بن بشیر بن شداد بن عمران الازدی السجستانی۔ آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ سجستان کی تحقیق میں مؤرخ ابن خلکان نے ایک مشہور غلطی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بصرہ میں ایک قریہ کا نام ہے۔ شیخ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ان کا وہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سیستان قندھار وچشت کے قریب ایک مقام ہے یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔

انہوں نے مصر، وشام، حجاز وعراق اور خراسان وغیرہ بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ حفظ واتقان، روایت وعبادت، تقویٰ وصلاح میں یگانۂ روزگار تھے۔ حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کسی پس وپیش کے بغیر اپنے زمانہ کے امام تھے۔ موسیٰ بن ابراہیم جوان کے معاصر تھے فرمایا کرتے تھے کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ابراہیم بن حربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ:

علم حدیث ان کے لئے اس طرح نرم کردیا گیا تھا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا۔ امام ترمذی وامام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث کا ان کے تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ تو ان کے

لہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیئے! "تاريخ بغداد" ۹/۵۵. "تهذيب الكمال" ۱۱/۳۵۵. "ثقات ابن حبان" ۱/۱۷۲. "انساب السمعاني" ۷/٤٦. "الكامل في التاريخ" ۷/٤۲٥. "وفيات الاعيان" ۲/٤۰٤. "سير اعلام النبلاء" ۱۳/۲۰۳. "تذكرة الحفاظ" ۲/٥۹۱. "طبقات السبكي" ۲/٤۸. "البداية والنهاية" ۱۱/٥٤. "بستان المحدثين" اردو، ص۱۸۰.

اساتذہ میں ہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض استاذوں نے ان سے روایت کی ہے، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی عتیرۃ کی حدیث ان سے روایت کی ہے۔

"سنن ابوداؤد" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اس میں ۴۸۰۰ حدیثیں حسن وصحیح جمع کی ہیں اور اپنے نزدیک کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جو قابل حجت نہ ہو۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچ لاکھ حدیثوں کے مجموعہ میں سے انتخاب کرکے اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان احادیث میں سے عقلمند کے لئے دین میں صرف چار حدیثیں کفایت کرتی ہیں:

① ...... "اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"

ترجمہ: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔[1]"

② ...... "مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ"

ترجمہ: "کسی شخص کے اچھا مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔[2]"

③ ...... "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ"

ترجمہ: "اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جس کو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔[3]"

[1] ابوداؤد، باب فی ما عنی به الطلاق والنیات، کتاب الطلاق، رقم الحدیث ۲۲۰۱.
[2] مشکوٰۃ ص ۴۱۳، باب حفظ اللسان والغیبة والقسم.
[3] مشکوٰۃ ص ۴۲۲، باب الشفقة والرحمة على الخلق.

④ ...... "اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ"

ترجمہ: "حلال وحرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان (کچھ امور) مشتبہات (ملتے جلتے) ہیں پس جس شخص نے شبہات سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین کو محفوظ کرلیا۔[1]"

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے کافی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم کرنے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مجتہد یا مرشد کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً عبادت کی درستگی کے لئے پہلی حدیث اور عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت کے لئے دوسری حدیث اور حقوق ہمسایہ و خویش واقارب اور دوسرے اہل تعارف ومعاملہ کی رعایت کے لئے تیسری حدیث اور ان شکوک وتردّدات کے ازالہ کے لئے جو اختلاف علماء یا دلائل کے مختلف ہونے سے پیدا ہوتے ہیں چوتھی حدیث کافی ہے، گویا مرد عاقل کے لئے یہ چاروں حدیثیں استاد وپیر کے درجہ میں ہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیخ ابواسحٰق شیرازی نے "طبقات الفقہاء" میں انہیں حنبلیوں میں شمار کیا ہے۔ حافظ ذہبی کے بیان سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے۔

لباس میں آپ کی ایک خاص عادت تھی، وہ یہ کہ اپنی قمیص کی ایک آستین فراخ اور دوسری تنگ رکھا کرتے تھے، جب آپ سے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا ایک آستین تو اس لئے کشادہ رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ لوں، دوسری آستین کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں۔

۱۶/شوال ۲۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور بصرہ میں دفن ہوئے، تہتر سال کی

[1] ابو داؤد، باب فی اجتناب الشبہات، کتاب البیوع، رقم الحدیث ۳۳۲۹.

عمر پائی۔

آپ کا عجیب واقعہ

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بڑی کشتی پر سوار کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے، اچانک ساحل پر کھڑے کسی شخص کو چھینک آئی، اس نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' کہا، امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کشتی میں سواری کی حالت میں تحمید سنی، آپ نے کشتی بان سے کہہ کر ایک چھوٹی کشتی جو بڑی کشتی کے ساتھ تھی ایک درہم میں کرایہ پر لی اور کنارے پر تشریف لے گئے اور اس کی تحمید کا جواب دیا، جب بڑی کشتی میں داخل ہوئے تو لوگوں نے اس عمل کی وجہ معلوم کی تو فرمایا میں اس خیال سے گیا تھا ممکن ہے کہ وہ مستجاب الدعواۃ ہو اور جب میں اس کو ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہوں تو وہ جواب میں ہدایت کی دعا دے اور وہ دعا قبول ہوجاوے، اسی آرزو میں یہ زحمت اٹھائی، جب سفر آگے کو ہوا اور تمام کشتی والے سو گئے تو ایک غیبی آواز سنائی دی:

''یَا اَھْلَ السَّفِیْنَۃِ اِنَّ اَبَا دَاوٗدَ اِشْتَرَی الْجَنَّۃَ بِدِرْھَمٍ۔''

تَرْجَمَہ: ''اے کشتی والو! ابوداؤد نے ایک درہم میں جنت خرید لی۔''

تذکرۂ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی، نَسَا: خراسان میں ایک مشہور شہر ہے، اس کی طرف نسبت میں نسوی بھی کہا جاتا ہے (اور قیاس کے مطابق بھی یہی ہے مگر مشہور نسائی ہے) بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی۔ (بعض ۲۱۵ھ بھی بتلاتے ہیں)

ذہبی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے پوچھا امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ زیادہ حفظ رکھتے ہیں یا امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ؟ فرمایا: امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ، پھر میں نے اپنے والد سے یہی سوال کیا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن علی زنجانی سے میں نے ایک شخص کا حال دریافت کیا، انہوں نے اس کو ثقہ فرمایا۔ میں نے کہا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ تو اس کو ضعیف کہتے تھے، فرمایا کہ راویوں کے متعلق امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ سخت تھیں۔ ابن الحداد شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اور اللہ کے مابین امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کو واسطہ بنا چکا ہوں۔

طلب حدیث کے لئے انہوں نے حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا تھا۔

---

[1] امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! ''تهذيب الكمال'' ۳۲۸/۱. ''الكامل في التاريخ'' ۹٦/۱. ''وفيات الاعيان'' ۷۷/۱ و ۷۸. ''تهذيب التهذيب'' ۱۲/۱، ''تذكرة الحفاظ'' ٦۹۸/۲. ''طبقات الشافعية الكبرى'' ۸۳/۲. ''البداية والنهاية'' ۱۲۳/۱۱ و ۱۲٤. بستان المحدّثين اردو: ۱۸۸.

بڑے بڑے شیوخ سے ملاقات کی تھی۔ سب سے پہلے یہ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی اور ایک سال دو ماہ ان کی خدمت میں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ فروع میں یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، بایں ہمہ کثیر الجماع تھے، چنانچہ چار عورتیں آپ کے نکاح میں تھیں اور ہر ایک کے پاس ایک ایک شب رہتے تھے۔ ان کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔

پہلے انہوں نے "سنن کبریٰ" تصنیف فرمائی تھی۔ امیر وقت نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں کیا وہ سب صحیح ہیں؟ فرمایا نہیں حسن بھی ہیں۔ اس نے کہا میرے لئے ایک مجموعہ مرتب فرما دیجئے جس میں صرف صحیح حدیثیں ہوں۔ اس کے بعد آپ نے "سنن صغریٰ" تالیف فرمائی جس کو "مجتبیٰ" بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی وفات کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب لکھ کر فارغ ہوگئے تو انہوں نے چاہا کہ ان کو دمشق کی جامع مسجد میں پڑھ کر سنائیں، تاکہ بنو امیہ کی سلطنت کے اثر سے عوام میں ناصبیت کی طرف جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح ہوجائے، ابھی اس کا تھوڑا سا ہی حصہ پڑھنے پائے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے متعلق بھی آپ نے کچھ لکھا ہے؟ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اگر وہ برابر سرابر چھوٹ جائیں تو بسا غنیمت ہے، مناقب تو ان کے کہاں ہیں؟ پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیٹنا شروع کیا، ان کے خصیتین میں چند شدید ضربیں ایسی پہنچیں کہ نیم جان ہوگئے۔ خادم ان کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ آپ نے فرمایا مجھے ابھی مکہ مکرمہ پہنچاؤ تاکہ میرا آخری وقت وہیں ہو۔ کہتے ہیں کہ جب امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کا انتقال ہو گیا اور صفا و مروہ کے درمیان دفن

کئے گئے۔ ۱۳؍صفر ۳۰۳ھ میں پیر کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں بمقام شہر رملہ (فلسطین) انتقال ہوا، پھر وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی، واللہ اعلم۔

تذکرۂ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ قزوینی الربعی۔ ربعی ولاء کی طرف نسبت ہے۔ ابن خلکان بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ عرب کے متعدد قبیلوں کا نام ہے، معلوم نہیں کہ ان بزرگ کی نسبت اس میں سے کس کی طرف ہے۔ قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی نافع اور مفید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

ان میں سے ایک "سنن ابن ماجہ" بھی ہے، جس کا صحاح ستہ میں شمار ہے۔ وہ جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کیا، انہوں نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تو (حدیث کی موجودہ) تصنیفات یا ان میں سے اکثر معطّل ہو کر رہ جائیں گی۔ فی الحقیقت احادیث کو بلاتکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب واختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے ہمسر نہیں ہے۔ حافظ ابوزرعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی صحت پر گواہی دی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ اس کتاب میں ایسی حدیثیں جن کی سندوں میں کچھ خلل ہے یا وہ متہم یا شدید النکارة ہیں تیس سے زیادہ نہ ہوں گی۔ اس سنن میں بتیس کتابیں ہیں۔ ایک ہزار پانچ سو ابواب اور کل چار ہزار احادیث ہیں۔

---

[1] امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "سیر اعلام النبلاء" ۲۷۷/۱۳. "تهذيب الكمال" ۴۰/۲۷. "تذكرة الحفاظ" ۶۳۶/۲. "الكاشف": ۳. الترجمة ۵۳۱۳. "تهذيب التهذيب" ۵۳۰/۹ و ۵۳۲. بستان المحدثين" اردو، ص۱۹۰.

صحیح یہی ہے کہ ماجہ (جیم کی تخفیف) آپ کی والدہ کا نام ہے۔ ابن میں الف لکھنا چاہیئے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی۔

ان کی تصانیف میں سے قرآن کی تفسیر اور "كتاب التاريخ" ہے۔

ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کو عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، مدینہ، شام، مصر، واسط، ری اور دوسرے اسلامی شہروں میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حدیث کے تمام علوم سے واقفیت اور شناسائی رکھتے تھے۔

جبارہ بن المغلّس، ابراہیم بن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار رحمہم اللہ تعالیٰ اور اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ تر استفادہ کیا۔ ۲۲ر رمضان المبارک ۲۷۳ھ میں دوشنبہ کے روز امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا اور سہ شنبہ کے دن دفن ہوئے۔

تذکرۂ امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کا نام ونسب یہ ہے: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد تمیمی، دارمی، سمرقندی ہے، جس سال عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ہوئی اس سال دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت ہے یعنی ١٨١ھ میں۔

دیانت، علم، اجتہاد اور عبادت میں ضرب المثل تھے۔ حدیث کی تلاش میں بلاد اسلامیہ کا دور دور کا سفر کیا۔ دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل کے فرزند عبداللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے ائمۂ حدیث آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ''سنن صغریٰ'' کے علاوہ ان سے روایت کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خراسان میں چار شخص حافظ حدیث ہیں:

ابو زرعہ رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، حسن بن شجاع بلخی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

''مسند دارمی'' آپ کی مشہور تصنیف ہے اس کو مسند کہنا محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے۔

[1] امام دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "تاريخ بغداد" ١٠/٢٩ و ٣٢. "انساب السمعانی" ٥/٢٥٢. "الكامل فی التاريخ" ٧/٢١٧. "تذكرة الحفاظ" ٢/٥٣٤. "سير اعلام النبلاء" ١٢/٢٢٤. "تهذيب الكمال" ١٥/٢١٠. "ثقات ابن حبان" ٨/٣٦٤، "تهذيب التهذيب" ٥/٢٩٤ و ٢٩٦. بستان المحدثين" اردو، ص ٧٤.

مجموعۂ کتاب ٣٥٥٧ حدیثوں پر مشتمل ہے۔[1]

پنجشنبہ (یوم عرفہ) ٢٥٥ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور عید الاضحیٰ یوم جمعہ کو مدفون ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکل گیا، حالانکہ بجز ان اشعار کے جو احادیث میں روایت کئے گئے ہیں آپ کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتے تھے

اِنْ تَبْقَ تُفْجَعْ بِالْأَحِبَّةِ كُلِّهَا   وَفَنَاءِ نَفْسِكَ لَا أَبَالَكَ أَفْجَعُ

تَرْجَمَۃ: ''اگر تو زندہ رہا تو تمام دوستوں کی مفارقت کا درد تجھ کو سہنا پڑے گا، مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے۔''

[1] احادیث میں سب سے اعلیٰ اور اقرب اسانید ''ثلاثیات'' شمار ہوتی ہیں، ایسی روایات ''مسند دارمی'' میں پندرہ (١٥) تک مروی ہیں۔ (مقدمہ اشعة اللمعات: ١/٢٠)

تذکرہ امام دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ [1]

آپ کا نام ونسب یہ ہے: علی بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبداللہ۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ شافعی المذہب تھے۔ دار قطن بغداد میں ایک بڑا محلّہ ہے وہیں آپ رہتے تھے۔

آپ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لئے آپ نے کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔

حاکم عبدالغنی منذری صاحبِ ترغیب وترہیب، تمام رازی صاحبِ فوائد مشہورہ اور ابونعیم صاحبِ حلیہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ حدیث آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

فن علل واسماء الرجال میں استاذ مانے جاتے تھے اور اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ خطیب حاکم وغیرہ کو آپ کے تفوق کا اعتراف تھا۔ فنون حدیث کے علاوہ فن قرأت وتجوید میں بھی آپ کو کافی دستگاہ تھی۔

قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانۂ شباب میں اسماعیل صفار کی مجلس میں املاء میں بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرمارہے تھے، حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس طرح تو تمہارا سماع معتبر نہیں ہوسکتا، ایک طرف لکھنے میں مشغول ہو اور دوسری طرف حدیث بھی سن رہے ہو! دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا اچھا جناب کو یاد ہے کہ اب تک شیخ نے کتنی حدیثیں املاء کرائی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اٹھارہ حدیثیں، پھر ان تمام حدیثوں کو بالترتیب حفظ سنا دیا یہ دیکھ کر

[1] امام دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "وفیات الاعیان" ۲۹۷/۳. "سیر اعلام النبلاء" ۴۵۱/۱۶. "بستان المحدثین" اردو، ص۷۵.

اہل مجلس حیران رہ گئے۔

ابوالحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو اپنے ہمراہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص بڑی دور دراز سے علم حدیث طلب کرنے کے لئے آیا ہے برائے مہربانی چند حدیثیں اس کو بھی املاء کرا دیجیے، دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لطائف الحیل سے ٹالنے کے لئے یہ جواب دیا کہ مجھ کو فرصت نہیں، جب ابوالحسن بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اصرار کیا تو اس کو بیس سندیں ایسی لکھوائیں جن کا متن یہ تھا:

"نِعْمَ الشَّيْءُ الْهَدِيَّةُ اَمَامَ الْحَاجَةِ"

دوسرے دن وہ مرد غریب کوئی مناسب ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو اس کو سترہ سندیں لکھوائیں اور ان سب کا متن یہ تھا:

"اِذَا أَتَاكُمْ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ"

آپ کی علمی ظرافتوں میں سے ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک دن آپ نماز میں مشغول تھے اور کوئی شخص غلطی سے "نُسَیر" کو "بشیر" پڑھ رہا تھا، دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہا تا کہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوجائے، مگر وہ نہ ہوا اور اب کی بار یُسیر (یاء کے ساتھ) پڑھنے لگا، جب آپ نے دیکھا کہ یہ کسی طرح اصلاح پر نہیں آتا تو آپ نے بلند آواز سے ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ پڑھنا شروع کردیا تا کہ وہ سمجھ جائے کہ اس راوی کا نام نون کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ایک شخص عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھ رہا تھا، یہاں بھی آپ نے "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہا، جب وہ ادا کرنے میں اٹکنے لگا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ (نماز میں اس طرح تلقین کرنا شوافع کے یہاں جائز ہے، مگر احناف کے نزدیک درست نہیں)

آپ کی وفات ۸/ ذیقعدہ ۳۸۵ھ میں جمعرات کے روز ہوئی۔ حافظ ابونصر

بن مالا رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فرشتوں سے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حال پوچھ رہا ہوں، انہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ جنت میں ان کا لقب امام ہے۔ مقبرۂ بابِ حرب میں معروف کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کا مزار مبارک بنا ہوا ہے۔

تذکرۂ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ [1]

آپ کی کنیت ابوبکر ہے اور نام ونسب یہ ہے: احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ بیہقی۔ بیہقی کی نسبت بیہق کی طرف ہے اور بیہق چند گاؤں کا نام ہے جو باہم متصل ہیں اور نیشاپور سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے نواحِ دہلی میں بارہہ اور ہریانہ۔

ان دیہات میں سب سے بڑا گاؤں خُسرَوجِرد ہے (جیم کے کسرہ کے ساتھ) جہاں بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر ہے۔ ماہ شعبان المعظم ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔

حاکم ابو طاہر بن فورک متکلم اصولی، ابوعلی رودباری صوفی اور ابوعبد الرحمٰن سلمی صوفی رحمہم اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔ بغداد، خراسان، کوفہ، حجاز اور دیگر بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم میں بڑی برکت اور فہم میں کامل قوت عطا فرمائی تھی۔ ان کی یادگار میں ایسی ایسی تصانیف موجود ہیں جو ان سے پہلے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت کثیر التصانیف محدث تھے۔ ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ایک ہزار تک شمار کی گئیں ہے۔

ان کے قلم سے ایسی ایسی تصانیف نکلی ہیں جن کی نظیر سابقین میں بھی خال خال ملتی ہے۔ ان کی چیدہ اور نافع تصانیف میں سے "کتاب الاسماء والصفات" ہے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مجھے اس

---

[1] امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "الانساب للسمعانی" ۳۸۱/۲. "الکامل لا بن اثیر" ۵۲/۱۰. "وفیات الاعیان" ۷۵/۱ و ۷۶. "تذکرۃ الحفاظ" ۱۱۳۲/۲. "سیر اعلام النبلاء" ۱۶۳/۱۸. "کشف الظنون" ۹/۱ و ۵۳ و ۱۷۵. "طبقات السبکی" ۱۶۰۸/۴. "بستان المحدثین" اردو، ص۸۳.

کتاب کی نظیر نہیں ملتی، اس طرح:

"دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ، مَنَاقِبُ الشَّافِعِيِّ، دَعَوَاتُ الْكَبِيْرِ، شُعَبُ الْإِيْمَانِ"

سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں قسم کھا کر بیان کرسکتا ہوں کہ دنیا میں یہ پانچوں کتابیں بے مثل ہیں، اس کے علاوہ: "سنن کبریٰ"، "خلافیات" "کتاب الزهد" "اربعین صغریٰ وکبریٰ" "کتاب الاسرار" بھی ان کی تصانیف میں بلند پایہ تصنیف ہیں۔

زہد وورع میں وہی خصائل رکھتے تھے جو علماء ربانیین میں ہونی چاہئیں۔ امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، لیکن ایک بیہقی ہیں جن کا احسان خود امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ پر ہے، کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط ومدلل طور پر مدوّن کرنے اور اس کے راجح کرنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔

"معرفة السنن والآثار" کی تصنیف کے دوران متعدد اشخاص نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں اس کتاب کے چند اجزاء ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ آج فقیہ احمد کی کتاب کے سات اجزاء ہم نے پڑھے ہیں۔

ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود یہ تعجبات میں سے ہے کہ جامع ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھیں، اس لئے ان ہر سہ کتابوں کی احادیث کی انہیں کما ینبغی اطلاع نہ تھی۔

محمد بن عبدالعزیز مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ جو مشہور فقیہ ہیں فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جارہا ہے اور اس کے اردگرد ایک ایسا چمکتا ہوا نور ہے جو آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی

تصنیفات کا یہ صندوق ہے جو بارگاہ کبریا میں مقبول ہوگیا ہے۔

۱۰ر جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو شہر نیشاپور میں ان کا انتقال ہوا، پھر ان کا تابوت بیہق کے سب سے بڑے شہر خسرو جرد لایا گیا اور یہیں آپ کو ہمیشہ کے لئے سپرد خاک کردیا گیا۔[1]

---

[1] امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا میلان کبھی کبھی شعر وشاعری کی طرف بھی ہوتا تھا، درج ذیل چند پر حکمت بیت آپ ہی کے ہیں

مَنِ اعْتَزَّ بِالْمَوْلٰی فَذَاكَ جَلِيْلٌ — وَمَنْ رَامَ عِزًّا عَنْ سِوَاهُ ذَلِيْلٌ

وَلَوْ اَنَّ نَفْسِيْ مُذْبَرَّاهَا مَلِيْكَهَا — مَضٰى عُمْرُهَادِيْ سِجْدَةً اَقَلِيْلٌ

أَحَبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيْبِ بِاَوْجُهٍ — وَلٰكِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ كَلِيْلٌ

جس شخص کو خدا نے عزت دی تو وہ بزرگ ہے اور خدا کے سوا کسی دوسرے سے عزت کا طالب ہوا تو وہ ذلیل ہے۔

میرے نفس کی جیسے اس کو اس کے مالک نے پیدا کیا ہے، اگر تمام عمر سجدہ (عبادت) میں گذر جائے تو نہایت قلیل ہے۔

میں اپنے حبیب کی مناجات کو عمدہ طریقہ سے پسند کرتا ہوں، لیکن گنہگاروں کی زبان گونگی ہے۔

(بستان المحدثین، اردو، ص ۸۶)

تذکرۂ امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ[1]

آپ کی کنیت ابوالحسن اور نام رزین بن معاویہ بن عمار عبدری اندلسی سرقسطی ہے اور عبدری قریش کے مشہور قبیلہ عبدالدار کی طرف نسبت ہے۔

مشہور محدث ہیں "تَجْرِیْدُ الصِّحَاحْ" نامی کتاب میں "مؤطا امام مالك" اور صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "جامع الاصول" کی تالیف میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی ایک اور تالیف تاریخ مکہ پر بھی ہے۔

ایک طویل زمانہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ قیام مکہ کے دوران حافظ ابومکتوم عیسیٰ بن ابوذر رحمہ اللہ تعالیٰ سے "صحیح بخاری" کی اور حافظ ابو عبداللہ حسینی طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے "صحیح مسلم" کی سماعت فرمائی۔

ان سے حدیث حاصل کرنے والوں میں قاضیٔ حرم ابوالمظفر محمد بن علی طبری، حافظ ابوموسیٰ مدینی اور حافظ ابن عساکر رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

صاحب "بغية الملتمس" نے آپ کی وفات ۵۲۴ھ میں اور تقی الدین الفاسی نے ۵۲۵ھ میں بتلائی ہے، لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سير النبلاء" اور "العبر" میں ۵۳۵ھ لکھی ہے۔

---

[1] امام رزین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ کے لئے دیکھیے! "سير اعلام النبلاء" ۲۰/۲۰۴. "مقدمه جامع الاصول" ۱/۴۸. "تذكرة الحفاظ" ۴/۱۲۸۱. "كشف الظنون" ۱/۳۴۵.

فوائد اسناد[1]

اس زمانہ میں جب کہ حدیثوں کی کتابیں مرتب ہوچکیں، حدیثوں کو مع السند بیان کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، لیکن باوجود اس کے علماء نے اس سلسلۂ سند کو مستحسن سمجھا اور اس کے چند فوائد تحریر فرمائے:

❶ ...... اس سلسلۂ سند سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصال اور وابستگی حاصل ہوجاتی ہے۔

---

[1] علم حدیث میں سند کی اہمیت مخفی نہیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ، وَلَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَاشَآءَ"

اسناد دین میں سے ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہتا۔ ان کا یہ بھی فرمان ہے:

"بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ اَلْقَوَائِمُ یَعْنِیْ اَلْإِسْنَادُ"

اسناد ہمارے اور لوگوں کے درمیان "پائے" ہیں، یعنی احادیث ہم نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنی ہیں اور صحابہ کا دور ہم سے دور ہے، جس تک ہم واسطوں ہی سے پہنچ سکتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

"مَثَلُ الَّذِیْ یَطْلُبُ اَمْرَ دِیْنِهٖ بِلَا اِسْنَادٍ کَمَثَلِ الَّذِیْ یَرْتَقِی السَّطْحَ بِلَا سُلَّمٍ"

اس شخص کی مثال جو دینی بات کو بغیر سند کے حاصل کرتا ہے اس شخص جیسی ہے جو چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھتا ہے۔ (مقدمه صحيح مسلم، ص ۱۲، باب بيان ان الاسناد من الدين، فيض المنعم، ص ۸۲)

سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلْإِسْنَادُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ فَاِذَا لَمْ یَکُنْ مَعَهٗ سَلَاحٌ فَبِأَیِّ شَیْءٍ یُقَاتِلُ"

اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے تو بغیر ہتھیار کے کیسے قتال کرے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مَثَلُ الَّذِیْ یَطْلُبُ الْحَدِیْثَ بِلَا اِسْنَادٍ کَمَثَلِ حَاطِبِ لَیْلٍ"

بغیر سند کے طالب حدیث کی مثال ایسی ہے جیسے رات کو لکڑیاں چننے والا۔ (الاجوبة الفاضلة للأسئلة لكاملة ص ٤٤.

❷ ...... یہ سلسلۂ سند جاری رہتا ہے جو امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرۂ امتیاز ہے اور یہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں نہیں پایا جاتا، خواہ وہ ادیان سماوی ہوں یا غیر سماوی، بخلاف امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہ ان کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات بالاسناد منقول ہے۔[1]

❸ ......سلف صالحین اور علماء محدثین کی اقتداء و پیروی حاصل ہوجاتی ہے۔

انہیں فوائد کے پیش نظر ختمِ کتب حدیث یا کتبِ درسیہ کے بعد مدارس میں سندیں بھی عطا کی جاتی ہیں، ورنہ دراصل قابلیت اور استعداد سند ہوا کرتی ہے اور اگر قابلیت واستعداد مفقود ہے تو سند رسمی ہوا کرتی ہے، تبرکاً کچھ مفید ہو تو ہو، لیکن استعداد و قابلیت کے ساتھ سند ہو تو ”نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ“ اور اس وقت سند کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔

مشائخ کرام اپنی اسانید کتاب وہاں تک بیان کرتے تھے جہاں تک وہ معروف ومطبوع نہ ہو۔ ہمارے اکابر کے یہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ تک سند بیان کرنے کا دستور ہے آگے نہیں، کیونکہ اس سے آگے مطبوعہ ہے، خود شاہ صاحب نے رسالہ ”اَلْإِرْشَادُ إِلٰی مُهِمَّاتِ الْأَسْنَادِ“ میں اپنی سند بیان فرمائی ہے اور اس میں اسانید کا جال بچھایا ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اسانید ”اَلْیَانِعُ الْجَنِیُّ فِیْ أَسَانِیْدِ عَبْدِ الْغَنِيِّ“ کے نام سے عرب وعجم میں مشہور ہے۔

[1] حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ: پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ اپنے رسول کے کلمات صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کرسکے، یہ صرف اس امت کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کی صحت اور اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق بخشدی گئی ہے۔ آج روئے زمین پر کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کرسکے۔ اس کے برخلاف اسلام ہے جو اپنے رسول کی سیرت کا ایک ایک شوشہ پوری صحت و اتصال کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ (ترجمان السنۃ: ۱/۱۷۱)

اپنی سند مشکوٰۃ

میں اپنی بے بضاعتی اور عدم استعداد کا اعتراف کرتے ہوئے سند مشکوٰۃ کو تبرکاً تحریر کرتا ہوں:

❶ ...... میں نے ”مشکوٰۃ شریف“ حضرت مولانا ابو الشفاء حبیب الرحمٰن صاحب بلیاوی مد ظلہم (مدرس دار العلوم اشرفیہ راندیر) سے پڑھی۔ انہوں نے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی اور انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔

❷ ...... اسی طرح استاذ محترم مولانا ابو الشفا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ”مشکوٰۃ“ کی سماعت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب التعلیق الصبیح) سے بھی کی ہے اور ان سے ان کو اجازت حاصل ہے۔ مولانا ادریس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مشکوٰۃ“ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھی ہے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت مولانا رشید الدین صاحب بخاری ثم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور انہوں نے حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کتبِ احادیث پڑھیں۔

❸ ......حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جملہ کتب حدیث کی اجازت مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی حاصل ہے، جو حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشد تلامذہ میں سے ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے اور شاہ اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے، اس طرح حضرت کا سلسلہ تینوں واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ

اللہ تعالیٰ تک جا ملا۔

۴ ...... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے۔ ان کو اپنے والد شاہ ابو سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔ اسی طرح شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازت حدیث ہے اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے۔

۵ ...... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ بمکۃ المکرّمۃ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔

۶ ...... اسی طرح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو شیخ سیّد احمد برزنجی مفتی شافعیہ ببلدۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی روایت واجازت حدیث حاصل ہے۔

۷ ...... اسی طرح استاذی حضرت مولانا ابو الشفا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی روایت و اجازتِ حدیث حاصل ہے۔

۸ ...... نیز حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب فتح الملہم) سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔

۹ ...... نیز حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے اور ان ہر سہ حضرات کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو حضرت مولانا حجۃ الاسلام محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان دونوں حضرات کو شیخ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

۱۰ ...... حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے براہ

راست بھی اجازت حدیث حاصل ہے، نیز شیخ محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالرحمٰن پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی روایت و اجازت حدیث حاصل ہے۔ ان چاروں حضرات کو شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور ان کو مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔
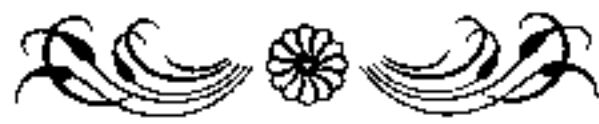
طالبین سے گذارش

علم حدیث کے شروع کرنے سے پہلے طلبۂ عزیز سے چند باتیں بڑی خصوصیت کے ساتھ عرض کرنی ہیں۔

❶ ...... اخلاص: "ای جعل العمل خالصا" ملاوٹ اور آمیزش سے پاک کرنا۔ عمل علم حدیث کا حصول ہے اور اس کو جن چیزوں سے خالص کرنا ہے وہ ہر زمانہ میں متفاوت ہیں، جیسے جس زمانہ میں اسلامی حکومتیں تھیں لوگ علم کو حکومت کے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے حاصل کرتے تھے، لیکن اب وہ بات نہیں رہی۔

اس زمانہ میں طلباء کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں چیز وہ لاشئی ہے۔ آج اس بے غرضی نے ہمارے طلباء کو ہلاک کردیا ہے۔ گھر سے والد یا اقرباء کے ہنکا لینے سے یہ مدرسہ میں آگئے اور اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ سال کے ختم پر اگر کوئی کتاب اچھی سمجھ میں آئی ہے تو اس پر خوشی نہیں ہوتی اور کسی کتاب میں کمزوری رہی تو نہ غم ہوتا ہے نہ اس کی تلافی کی کوشش۔

ایک شخص گھر سے نکلا اور اس نے اپنی منزل بھی طے کرلی کہ یہاں تک پہنچنا ہے، اب یہ شخص حصول منزل میں کوشش کرے گا، لیکن جو بس تفریح کے لئے نکلے اور منزل بھی طے نہیں تو وہ کوئی جدوجہد نہ کرے گا، اس لئے اگر سبق کی چھٹی کا علم ہوجائے تو ان کو کوئی افسوس نہیں ہوتا، بخلاف وظیفہ کی چھٹی کے اعلان سے رونے لگتے ہیں۔

اس میدان میں قدم رکھنے والے کی ابتداءً نیت تفقہ فی الدین ہے۔ اسلامی احکام کو جاننا، اس کو سمجھنا اور اس کے ادلۂ اجمالیہ یا تفصیلیہ سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔ یہ نیت ہوگی تو علم کے لئے ۲۵ سال بھی خرچ کرنا آسان ہے، ورنہ سند تو دو سال میں بھی حاصل کرسکتے ہو اور غایۃ الغایات وہ ابتغاء وجہ اللہ (اللہ تعالیٰ کی رضاء

کی طلب) ہے۔

❷ ...... احترام: ؎

بے ادب محروم گشت از فضل رب

با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب

اس میں تین چیزوں کا احترام کرنا ہے: ایک علم کا، دوسرا اسباب علم کا، تیسرا خود کا احترام۔

پہلا: علم ایک معنوی چیز ہے، جس درجہ کا علم ہو اسی درجہ کی عظمت اور اہمیت دل میں ہو اور اس کا امتحان دوسری چیز کے ٹکراؤ کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرا: اسباب علم میں تین چیزیں ہیں: ایک استاد، دوم کتاب، سوم درسگاہ۔

استاد کی دل میں محبت ہو اور اس کے لئے دعا کا اہتمام ہو اور جن چیزوں سے اس کو تکلیف پہنچے ایسی تمام چیزوں سے دور رہے۔

کتاب کو چاہے کسی بھی فن کی ہو باوضو چھونے کا اہتمام ہو۔ ہمارے طلباء نے یہ اصول بنالیا ہے کہ کتاب میں ہر سفید جگہ پر اپنی تحقیقات سے سیاہی کرنا، جلد کو توڑنا، کتاب کو پرچوں کی حفاظت کا طاق بنانا، یہ سب محرومی کے اسباب ہیں۔ اپنی ذاتی کتاب میں اتنی وسعت نکل سکتی ہے کہ متعلقات درس کو حسین انداز سے بطور حاشیہ نقل کرلیا جاوے۔

اور جس طریقہ سے مسجد کا احترام کرتے ہیں ایسے ہی درسگاہ کا احترام کرنا، اس میں شور کرنے سے، گندگی کرنے سے، اس کو سونے کی جگہ بنانے سے احتراز کیا جاوے۔

❸ ...... استحضار: پڑھے ہوئے کو یاد رکھنا۔ اس کے لئے تین ذرائع ہیں: ایک مطالعہ کرنا، دوم دوران درس پورے طور پر توجہ کے ساتھ سمجھنے کی سعی کرنا، سوم مذاکرہ۔

اس زمانہ میں مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ آنے والے سبق میں کن کن مسائل

سے بحث ہوگی اس کا اجمالی طور پر تعین۔ دورانِ درس استاد کی تقریر پر پوری توجہ دی جائے۔ جسمانی اور دل و دماغ دونوں طریقہ سے حاضری ہو اور بات کو پورے طور پر سمجھنے کی سعی کرے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آسکی تو اولاً رفقاء درس سے پھر استاد سے مراجعت کر کے اس کو حل کر لیں، پھر ان تمام سمجھی ہوئی باتوں کا ساتھیوں کے سامنے تکرار کر جاوے۔ دورۂ حدیث کے سال میں طلباء کو اساتذہ کی تقاریر کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، پھر ان تقاریر میں سے خلاصہ کو ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیئے۔

۴ ...... **اجتناب عن المعاصی:** پیچھے جو احترام کا نمبر گذرا، اس میں ایک بات تھی خود کا احترام۔ ہر طالب علم کے پیش نظر ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں علوم نبوت کا طالب ہوں۔ میرے لئے کیا مناسب ہوگا اور کیا نا مناسب ہوگا، اس لئے جس دین کو وہ حاصل کر رہا ہے اس دین کے جملہ فرائض، واجبات، سنن کا پابند ہونا چاہیئے۔ دو چیزیں ہیں ایک گناہ کا ہونا، دوسرا گناہ کرنا، بشری تقاضہ سے گناہ ہو سکتے ہیں تو فوری اس پر توبہ ہو اور گناہ بالقصد کرنا یہ طالب علم کی شان ہی نہیں ہے۔

ہمارے طلبہ میں عامۂ سینما بینی، ڈاڑھی کتروانا، نماز میں کوتاہی، بدنظری، مجلس بازی میں اوقات کی تضییع، لباس میں بے احتیاطی، اساتذہ اور منتظمینِ مدرسہ کی غیبت یہ سب امراض عام ہیں۔

جان لو علم ایک نور ہے، جس کو اللہ تعالیٰ قلب سلیم میں ودیعت فرماتے ہیں اور گناہوں سے اگر دل میں سیاہی ہوگی تو علم کا نور نہیں آسکتا۔ زمانہ طالب علمی ابھرتی جوانی کا عامۂ زمانہ ہوتا ہے، اس میں قوت شہوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے بعض اکابر کا جملہ مشہور ہے ”جو اپنے ۱۷ سے ۲۷ سال تک کی عمر کی حفاظت کرتا ہے وہ ولی ہو کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔“

ہمارے حضرت مرشدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب

گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: ہمارے زمانہ میں جس دن ”بخاری شریف“ شروع ہوتی اس دن طلباء کی ایک بہت بڑی تعداد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے بہرہ ور ہوتی۔

۵ ...... **باوضو درس کا اہتمام:** وضو ایک نور ہے اور علم بھی نور ہے اس لئے وضو کے ساتھ اہتمام کرو گے تو علم میں نورانیت آئے گی۔ بہت سے نیک بخت حضرات اب بھی ہیں جنہوں نے سن شعور میں قدم رکھنے کے بعد کسی بھی دینی کتاب کو بلا وضو نہیں چھویا۔

۶ ...... **دعاء:** علم خدا تعالیٰ کے خزانوں سے ملتا ہے، اس لئے باری تعالیٰ سے علم کی زیادتی مانگنے کا حکم ہوا، بلا طلب کے تو ماں بھی نہیں دیتی۔ ہمارے طلبہ اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں اور میں تو یوں کہتا ہوں کہ جو علم نافع کی زیادتی کی دعا نہیں مانگتا اس کی علامت یہ ہے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں گھومتا پھرتا دوسرے امور میں مشغول نظر آوے گا اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد علمی لائن میں نہیں آتا۔

ہمارے طلبہ کی اس سلسلہ میں چار انواع ہیں:

۱ ...... تعلیم میں محنت کے ساتھ دعاؤں کا بھی اہتمام۔

۲ ...... محنت بھی نہیں دعا بھی نہیں۔

۳ ...... محنت کرتے ہیں دعا نہیں مانگتے۔

۴ ...... صرف دعا مانگتے ہیں محنت نہیں کرتے۔ ان کا حال ایسا ہے جیسا شادی کئے بغیر اولاد کی دعا کرنا۔ ساتھ میں دعا ایک مستقل عبادت ہے، دعا کی کثرت سے عبادت میں کثرت ہوتی ہے اور عبادت کی کثرت رضاء الٰہی کی کثرت کا موجب ہے، اس لئے طالب علم کو متواضع بن کر ہمیشہ دعا کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

ہمارے طلبہ کو دورۂ حدیث کے سال میں جو کتابیں روایۃً پڑھائی جاتی ہیں، ان

میں زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ نصاب بنانے والے اکابرین بیوقوف نہیں تھے، اس میں بہت سارے فوائد ہیں، سب سے بڑا فائدہ سرد[1] ہے اور تکرار سے روایات اوقع فی النفس ہو جاتی ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى آلِهٖ وَعَلٰى أَصْحَابِهٖ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

(آمین)

[1] السرد، مصدر ہے معنی ہے لگاتار ہونا، مطلب یہ ہے کہ روایات لگاتار اور مسلسل پڑھنے و سننے سے محفوظ و اوقع فی النفس ہو جائے۔

مصادر و مراجع

- احیاء علوم الدین ...... امام محمد بن الغزالی متوفی ۵۰۵ھ ...... دار احیاء التراث العربی بیروت
- اشعۃ اللمعات ...... شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ ...... مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان۔
- الاعلام للزرکلی ...... خیر الدین بن محمود بن محمد الزرکلی متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء ...... دار العلم للملایین
- اعلام الحدیث ...... امام ابوسلیمان احمد بن الخطابی متوفی ۳۸۸ھ ...... مرکز احیاء التراث الاسلامی جامع ام القریٰ
- اعلاء السنن ...... علامہ ظفر احمد عثمانیؒ متوفی ...... دار الاشاعت کراچی
- الانساب ...... ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمانی متوفی ۵۶۲ھ ...... دار الجنان بیروت
- اوجز المسالک ...... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۴۰۲ھ ...... ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان
- البدایۃ والنہایۃ ...... عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ...... المعارف بیروت
- اسد الغابۃ ......
- بستان المحدثین ...... حضرت شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ ...... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
- تاریخ بغداد ...... حافظ احمد بن علی المعروف بالخطیب البغدادی متوفی ۴۶۳ھ ...... دار الکتاب بیروت
- تاریخ البخاری الکبیر ...... محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ ...... دار الباز مکۃ المکرمۃ
- تدریب الراوی ...... حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ...... المکتبۃ العلمیۃ مدینۃ المنورۃ
- تدوین حدیث ...... حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ ...... مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی
- توجیہ النظر الی اصول الاثر ...... علامہ طاہر بن صالح بن احمد الجزائری ...... دار المعرفۃ بیروت
- تذکرۃ الحافظ ...... حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ ...... دائرۃ المعارف العثمانیہ ہند

◎ ترجمان السنۃ ...... مولانا بدر عالم میرٹھی متوفی ۱۳۸۵ھ ...... ادارہ اسلامیات لاہور

◎ التعلیق الصبیح ...... مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ ...... مکتبہ عثمانیہ لاہور

◎ مجموعۃ الفتاویٰ ...... علامہ عبدالحئی لکھنویؒ متوفی ۱۳۰۴ھ ...... دارالاشاعت کراچی

◎ تعلیقات الرفع والتکمیل ...... عبدالفتاح ابوغدۃ متوفی ۱۴۱۷ھ، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ بحلب

◎ تفسیر عزیزی ...... سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ ...... افغانی دارالکتب دہلی

◎ تقریب التہذیب ...... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ...... دارالرشید، حلب

◎ تقریر بخاری ...... مولانا ذکری صاحبؒ متوفی ۱۴۰۲ھ ...... مکتبۃ الشیخ کراچی

◎ تلخیص الحبیر ...... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ...... دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور

◎ تہذیب التہذیب ...... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ...... دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

◎ تہذیب الکمال ...... جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن بن مزی متوفی ۷۴۲ھ ...... مؤسسۃ الرسالۃ

◎ تہذیب الاسماء واللغات ...... امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ ...... ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ

◎ الثقات لابن حبان ...... حافظ ابوحاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۴ھ ...... دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد

◎ جامع بیان العلم وفضلہ ...... حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ الجامع للترمذی ...... امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ ...... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

◎ الجامع للترمذی ...... امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ ...... داراحیاء التراث العربی

◎ التقریب ...... امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ ...... مکتبۃ العلمیۃ مدینہ منورہ

◎ الرسالۃ المستطرفہ ...... علامہ محمد بن جعفر کتانی ...... میر محمد آرام باغ کراچی

◎ الکاشف عن حقائق السنن ...... الامام شرف الدین حسین بن الطیبی ...... ادارۃ القرآن کراچی

◎ الاربعین النوویۃ ...... ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی متوفی ۶۷۶ھ ...... طبعۃ شرتلی

◎ حلیۃ الاولیاء ...... حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ خلاصۃ الخزرجی ...... احمد بن عبداللہ الخزرجی متوفی بعد سنۃ ۹۲۳ھ ...... مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب

◎ الدرالمختار ...... علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ ...... مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

◎ رسائل ابن عابدین ...... شیخ محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ ...... سہیل اکیڈمی لاہور

◎ زہر الربیٰ (مع سنن النسائی) ...... جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ...... قدیمی کتب خانہ

◎ سنن النسائی الصغریٰ ...... ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ ...... قدیمی کتب خانہ

◎ سنن النسائی الکبریٰ ...... امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ ...... نشر السنۃ ملتان

◎ سنن دارمی ...... امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی متوفی ۲۵۵ھ ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ سنن دارقطنی ...... حافظ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ ...... دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور

◎ سنن ابن ماجہ ...... امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ سنن ابن ماجہ ...... دارالکتب المصری قاہرہ

◎ سنن ابی داود ...... امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ ...... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

◎ سنن ابی داؤد ...... امام ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ ...... دار احیاء السنۃ النبویۃ

◎ سیرۃ المصطفیٰ ...... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء ...... مکتبہ عثمانیہ لاہور

◎ سیر اعلام النبلاء ...... ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ ...... مؤسسۃ الرسالۃ

◎ شرح الطیبی ...... امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی متوفی ۷۴۳ھ ...... ادارۃ القرآن کراچی

◎ شرح الزرقانی ...... شیخ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری متوفی ۱۱۲۲ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ شرح الکرمانی ...... علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ ...... داراحیاء التراث العربی

◎ شرح النووی علی صحیح مسلم ...... ابوزکریا یحیی النووی متوفی ۶۷۶ھ ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ شرح معانی الاثار ...... امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ طحاوی متوفی ۳۲۱ھ ...... میر محمد کراچی

◎ شعب الایمان ...... امام حافظ احمد بن الحسین علی البیہقی متوفی ۴۵۸ھ ...... دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۰ھ

◎ صحیح البخاری ...... امام ابوعبداللہ بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ صحیح مسلم ...... امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری متوفی ۲۶۱ھ ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ صحیح ابن حبان ...... حافظ محمد بن حبان ابوحاتم ...... دارالکتب العلمیۃ بیروت

◎ صفۃ الصفوۃ ......

◎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ...... تاج الدین عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ ...... دارالمعرفۃ بیروت

◎ طبقات ابن سعد ...... امام ابوعبداللہ محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ دار صادر بیروت

◎ علوم القرآن ...... علامہ شمس الحق افغانی متوفی ۱۴۰۳ھ ...... المکتبہ الاشرفیہ لاہور

◎ عمدۃ القاری ...... امام بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ ...... ادارۃ الطباعۃ المنیریہ

◎ فتح الملہم ...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ ...... مکتبہ الحجاز حیدری کراچی

◎ فتح القدیر ...... امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ ...... مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

◎ الفہرست ...... محمد بن اسحاق الوراق المعروف بابن الندیم البغدادی متوفی ۳۸۵ھ ...... مکتبہ التجاریہ الکبریٰ بمصر

◎ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ ...... علامہ عبدالحیٔ لکھنوی الانصاری متوفی ۱۳۰۴ھ ...... خیر کثیر کتب کراچی

◎ فیض الباری ...... امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ ...... ربانی بکڈپو دہلی

◎ فیض القدیر ...... شیخ محمد عبدالرؤف المناوی ...... دارالمعرفۃ بیروت

◎ الفیض السمائی ...... مولانا محمد عاقل مدرس الحدیث بمظاہر العلوم ...... مکتبہ خلیلیۃ سہارنپور

◎ الکامل فی ضعفاء الرجال ...... حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی متوفی ۳۶۵ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ الکامل فی التاریخ ...... علامہ ابوالحسن عزالدین علی بن محمد ابن الاثیر الجزری متوفی ۶۲۰ھ ...... دارالکتاب العربی

◎ کشاف اصطلاحات الفنون ...... علامہ محمد اعلی تھانویؒ متوفی ۱۱۹۱ھ ...... سہیل اکیڈمی لاہور

◎ کشف الباری ...... شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی ...... مکتبہ فاروقیہ کراچی

◎ مجمع الزوائد ...... امام نورالدین علی ابن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ مجمع بحارالانوار ...... علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۲ھ ...... دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد ۱۳۹۵ھ

◎ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ...... حافظ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم حرانیؒ متوفی ۷۲۸ھ ...... طبعۃ الملک فہد

◎ المرقاۃ ...... علامہ نورالدین علی بن سلطان القاری متوفی ۱۰۱۴ھ ...... مکتبہ امدادیہ ملتان

◎ المستصفی ...... امام محمد بن محمد الغزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ ...... المکتبۃ الکبریٰ بمصر

◎ المستدرک ...... حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوریؒ متوفی ۴۰۵ھ ...... دارالفکر بیروت

◎ مسند احمد ...... امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ ...... المکتب الاسلامی دارصادر بیروت

◎ مشکوٰۃ المصابیح ...... ولی الدین خطیب محمد بن عبداللہ متوفی ۷۴۳ھ کے بعد ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

◎ مصنف عبدالرزاق ......امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ......مجلس علمی جنوبی افریقہ

◎ المصنف فی الاحادیث والاثار......عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ متوفی ۳۳۵ھ...... دارالسلفیۃ ہند

◎ مظاہر حق......علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ......المصباح اردو بازار لاہور

◎ معجم البلدان ......علامہ ابوعبداللہ یاقوت حموی رومی متوفی ۶۲۶ھ...... داراحیاء التراث العربی بیروت

◎ المعجم الکبیر والمعجم الصغیر ...... امام سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ...... داراحیاء التراث العربی

◎ المحدث الفاصل شیخ رامہرمزی......لبنان بیروت

◎ معارف القرآن ......مفتی اعظم مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ......ادارۃ المعارف کراچی

◎ معارف الحدیث......مولانا منظور احمد نعمانی صاحب ...... دارالاشاعت کراچی

◎ معارف السنن......مولانا محمد یوسف بنوریؒ متوفی

◎ مقدمۃ المحقق علی جامع الاصول......عبدالقادر الارناؤط...... دارالفکر بیروت

◎ مقدمۃ فتح الباری ...... حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ...... دارالفکر بیروت

◎ مقدمۃ لامع الدراری ...... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی متوفی ۱۴۰۲ھ...... مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ

◎ مکانۃ الامام الاعظم بین المحدثین ...... محمد عبدہ الحارث ......ادارۃ القرآن کراچی

◎ مؤطا الامام محمد......امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ......نور محمد اصح المطابع کراچی

◎ میزان الاعتدال ...... حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ ...... داراحیاء الکتب العربیۃ

◎ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر......حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ......الرحیم اکیڈیمی

◎ نصب الرایۃ ...... حافظ ابومحمد جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ مجلس علمی ڈابھیل

◎ وفیات الایمان ...... قاضی شمس الدین محمد بن احمد المعروف بابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ ...... دار صادر بیروت

◎ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ...... احمد بن علی المعروف بابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ...... دارالفکر بیروت

◎ عجالۃ النافعۃ......حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب......نور محمد آرام باغ کراچی

◎ لسان المیزان ...... حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ...... بیروت

دیوان الامام الشافعی

طلبہ کیلئے تربیتی واقعات

دراسات فی معرب القرآن الکریم

تحفۂ دولہا

مثالی استاد

عقیدۂ طحاویہ

خواتین کے فقہی مسائل

مثالی ماں

وہ کوہ کن کی بات